Over 210K+ Followers

27 APRIL TO 03 MAY, 2026 | ۲۷ اپریل تا ۳ مئی ۲۰۲۶

عوام۔نظام اور ایوان

چیف ایڈیٹر: شیخ راشد عالم
ایڈیٹر: نشید آفاقی

پاک واچ
PAKISTAN WATCH

شہر قائد میں اسٹریٹ کرائمز بے قابو
اربوں کا سرویلنس سسٹم بھی ناکام

رضا پہلوی جلاوطن شہزادہ یا سیاسی سراب؟

پہلگام کا بیانیہ، حقیقت سیاست اور سوالات

Over 210K+ Followers on social media now shining in print too

شہر قائد میں اسٹریٹ کرائمز بے قابو
اربوں کا سرویلنس سسٹم بھی ناکام

ایس 4 منصوبے پر بھاری اخراجات کے باوجود گاڑی اور موٹر سائیکل چھینا جھپٹی میں کمی کے بجائے اضافہ

پاکستان واچ رپورٹ

محکمہ پولیس میں تجربات کا سلسلہ بدستور جاری ہے، شہر قائد میں گاڑیوں و موٹر سائیکلوں کی چھینا جھپٹی اور چوری کی بڑھتی ہوئی وارداتوں پر قابو پانے کے لیے جدید کیمروں کی تنصیب بھی خاطر خواہ نتائج نہ دے سکی۔ایک ارب 4 کروڑ روپے مالیت سے لگائے گئے ایس 4 سسٹم کی تنصیب کے بعد گاڑیاں اور موٹر سائیکلیں چھیننے کی وارداتیں بھی حیران طور پر بڑھ گئیں جس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا کہ تجربات کے ساتھ ساتھ کروڑوں روپے مالیت کے جدید کیمرے سے بھی استعفادہ حاصل نہیں جا سکا۔تاہم 2 سالوں کے دوران موٹر سائیکل اور گاڑیاں چوری کی وارداتوں میں انتہائی معمولی کمی سامنے آئی جبکہ کروڑوں روپے مالیت کے سندھ اسمارٹ سرویلنس سسٹم کی تنصیب کے بعد پولیس کارروائی کے دوران چوری اور چھینی گئی موٹر سائیکلوں اور گاڑیوں کی برآمدگی کا گراف بھی نیچے آ گیا۔سابق آئی جی سندھ غلام نبی میمن کے مطابق تمام کیمرے سینٹرل پولیس آفس (سی پی او) کے کمانڈ اینڈ کنٹرول سسٹم سے منسلک کیے گئے ہیں تاہم حیرت انگیز طور پر ایس 4 کیمروں کی تنصیب کے بعد گاڑیاں اور موٹر سائیکلیں چوری کی وارداتوں میں تو معمولی کمی آئی لیکن چھینا جھپٹی کی وارداتیں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتی چلی گئیں. منصوبے کی تنصیب سے قبل 12 ماہ کے دوران گاڑیاں اور موٹر سائیکلیں چوری اور چھینی جانے کے اعداد و شمار کا جائزہ لیا جائے تو ستمبر 2022 سے اگست 2023 کے دوران شہر قائد میں کار چوری کے 2042 جبکہ کار چھیننے کے 219 واقعات رپورٹ ہوئے تھے اسی عرصے میں موٹر سائیکل چوری کے 53ہزار 357 اور موٹر سائیکل چھیننے کے 6 ہزار 14 واقعات ریکارڈ کیے گئے تھے۔سیسی ٹول پلازہ پر منصوبے کے پہلے کیمرے کی تنصیب کے بعد ابتدائی 4ماہ کے دوران مجموعی طور پر گاڑیاں چوری اور چھیننے کی 809 وارداتیں رپورٹ ہوئیں جبکہ موٹر سائیکل چھیننے اور چوری کرنے کی 20ہزار 113 وارداتیں رپورٹ ہوئیں جبکہ دسمبر 2023 کو ایس 4 منصوبے کی تکمیل کے بعد سندھ بھر کے ٹول پلازہ پر جدید کیمروں کی مدد سے نگرانی کا عمل شروع کیا گیا اور منصوبہ مکمل ہونے کے بعد جنوری 2024 سے دسمبر 2024 تک کے اعداد و شمار کے مطابق سال 2024 میں کار چوری کے واقعات کم ہو کر 1702 پر آ گئے۔تاہم اس کے برعکس ایک سال کے دوران کار چھیننے کے واقعات بڑھ کر 283 تا جا پہنچے اسی طرح موٹر سائیکل چوری کے واقعات کم ہو کر 41ہزار 858 ہو گئے جبکہ موٹر سائیکل چھیننے کے واقعات بڑھ کر 8ہزار 204 تک پہنچ گئے جو کہ کیمروں کی نصب کے بعد انتہائی حیران کن بات ہے،اسی طرح سال 2025 کے اعداد و شمار کا جائزہ لیا گیا تو گاڑیاں چوری و چھیننے کی وارداتوں میں ایک بار پھر نمایاں اضافہ سامنے آیا جبکہ موٹر سائیکل چوری کی وارداتوں میں کمی دیکھنے میں آئی۔سی پی ایل سی کے اعداد و شمار کے مطابق سال 2025 جنوری سے دسمبر کے دوران گاڑی چوری کی 1859 وارداتیں رپورٹ ہوئیں جو گزشتہ سال کے برعکس زیادہ سامنے آئیں اس ہی طرح گاڑیاں چھیننے کی وارداتیں بھی بڑھ کر 309 پر پہنچ گئیں اس کے ساتھ ساتھ موٹر سائیکل چوری کی وارداتوں میں کچھ کمی سامنے آئی اور اس دورانیہ میں 38 ہزار 513 وارداتیں رپورٹ کی گئیں جبکہ موٹر سائیکل چھیننے کی وارداتیں بھی کم ہو کر 6ہزار 419 تک محدود رہیں. ایس 4 جدید کیمروں کے منصوبے سے قبل سندھ پولیس کی گاڑیاں اور موٹر سائیکل چوری اور چھیننے والوں کے خلاف کارروائیوں کا جائزہ لیا جائے تو ایک ارب 40 کروڑ روپے مالیت کے اس منصوبے کے بعد ان کارروائیوں کو بھی ریورس گیئر لگ گیا۔اس منصوبے کی ابتدا سے قبل سال 2023 میں اینٹی وہیکل لفٹنگ سیل کی کارروائیوں کے دوران 834 گاڑیاں برآمد کی گئی تھیں جبکہ ایس 4 منصوبے کے تکمیل کے بعد سال 2024 میں گاڑیاں برآمد ہونے کی تعداد کم ہو کر 708 پر پہنچ گئی جبکہ اگلے سال 2025 میں یہ تعداد مزید کم ہو کر 618 پر جا پہنچی۔اس ہی طرح چوری اور چھینی گئی موٹر سائیکلیں برآمد کرنے میں ایس 4 منصوبہ خاص مددگار ثابت نہیں ہو سکا، سندھ اسمارٹ سرویلنس سسٹم سے قبل سال 2023 میں 12 ماہ کے دوران چوری اور چھینی گئی موٹر سائیکلیں برآمد ہونے کی تعداد 4ہزار 715 تھی تاہم وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ تعداد بھی کم ہوتی چلی گئی اور 2024 میں یہ تعداد 2ہزار 598 موٹر سائیکلوں کی برآمدگی تک محدود رہی جبکہ 2025 میں صرف 1ہزار 631 موٹر سائیکلیں پولیس برآمد کرنے میں کامیاب ہوئی۔سندھ پولیس کے ایک اعلی افسر نے نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر بتایا کہ ٹول پلازہ پر نصب کیمرے خاطر خواہ نتائج نہیں دے پا رہے ہیں جس کی ایک اہم وجہ کیمروں میں چہرہ شناخت کرنے کی صلاحیت کا درست استعمال کا نہ ہونا بھی شامل ہے۔جبکہ کار اور موٹر سائیکل لفٹرز کی جانب سے واردات کے بعد چھینی یا چوری کی گئی گاڑی پر اس ہی رنگ اور ماڈل کی گاڑی یا موٹر سائیکل کی نمبر پلیٹ تبدیل کر کے ٹول پلازہ با آسانی عبور کرنا بھی شامل ہے جو کہ ایک شہر سے دوسرے شہر گاڑی منتقل کرنے میں جدید کیمروں کو دھوکہ دینے میں کامیاب دکھائی دیتے ہیں۔تاہم پولیس کی ٹیکنکل ٹیم اس حوالے سے بھی کام کر رہی ہے،

پولیس افسر کے مطابق کراچی سے چھینی اور چوری کی گئی بیشتر گاڑیاں اور موٹر سائیکلیں سندھ اور بلوچستان منتقل کی جاتی ہیں تاہم حب چوکی پر موجود ایس 4 سسٹم کے جزوی طور پر کارآمد ہونے کے باعث کچے راستوں سمیت یہ مقام بھی گاڑیاں اور موٹر سائیکل چوری اور چھیننے کے بعد شہر سے باہر منتقل کرنے کا آسان راستہ بنا ہوا ہے۔تاہم کروڑوں روپے کے اس جدید نگرانی نظام کے باوجود اگر عوام کی محنت سے کمائی ہوئی گاڑیاں اور موٹر سائیکلیں غیر محفوظ ہیں تو یہ صرف ٹیکنالوجی کی ناکامی نہیں بلکہ اس کے ناقص استعمال، کمزور حکمتِ عملی اور پیشہ ورانہ صلاحیت کے فقدان کی واضح عکاسی ہے۔ایس 4 جیسے منصوبے محض کیمرے نصب کرنے تک محدود رہیں تو ان کا مقصد فوت ہو جاتا ہے جبکہ اصل ضرورت مضبوط حکمت عملی اور مجرمانہ نیٹ ورکس کے خلاف ٹھوس کارروائی کی ہے بصورت دیگر یہ منصوبہ بھی ماضی کے دیگر مہنگے مگر غیر مؤثر اقدامات کی طرح عوامی وسائل کے ضیاع کی ایک اور مثال بن کر رہ جائے گا۔

27 APRIL TO 03 MAY, 2026 ☆☆☆ ۲۷ اپریل تا ۳ مئی ۲۰۲۶ ☆☆☆

عوام۔نظام اور ایوان

چیف ایڈیٹر: شیخ راشد عالم ایڈیٹر: نشید آفاقی

پاک واچ

PAKISTAN WATCH

https://www.facebook.com/ pakistanwatch.news

مجلس ادارت:

● چیف ایڈیٹر: شیخ راشد عالم ● ایگزیکٹوایڈیٹر: ڈاکٹر ہما بخاری ● ایڈیٹر: نشید آفاقی

● لیگل ایڈوائزر: ندیم شیخ ایڈووکیٹ ● ایم ڈی سیلز اینڈ مارکیٹنگ: ظفر حسین،

● ڈائریکٹر بزنس ڈیولپمنٹ: ثوبیہ شاکر علی ● پریس منیجر: شکیل احمد خان

● رپورٹنگ ٹیم: احمد حسین انصاری، نصیر الدین، جاوید احمد

محمد دانش، ارباب حسین، حسنین احمد

● رپورٹنگ ٹیم: احمد حسین انصاری، نصیر الدین، جاوید احمد

محمد دانش، ارباب حسین، حسنین احمد

دفتر کا پتہ: H41، پی ای سی ایچ ایس، بلاک 2، کراچی

فون نمبر: 021-34528802-3

فرمان الٰہی

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے

اور آسمان اور زمین کی چھپی چیزوں کا علم اللہ ہی کو ہے اور تمام امور کا رجوع اسی کی طرف ہے تو اسی کی عبادت کرو اسی پر بھروسہ رکھو اور جو کچھ تم کر رہے ہو تمہارے پروردگار اس سے بے خبر نہیں

سورۃ ہود 11- آیت نمبر 123

مجھے ہے حکم اذاں ....!

امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کی حالیہ متنازعہ سوشل میڈیا پوسٹ نے ایک بار پھر عالمی سفارتی آداب، سیاسی بیانیے اور قومی وقار کے درمیان توازن کے سوال کو اجاگر کر دیا ہے۔ بھارت کو ''جہنم کا گڑھا'' اور بھارتیوں کو ''لیپ ٹاپ گینگسٹرز'' قرار دینا محض ایک سخت جملہ نہیں بلکہ ایک ایسی سوچ کی عکاسی ہے جو عالمی سیاست میں تیزی سے عام ہوتی جارہی ہے جہاں الفاظ ہتھیار بن چکے ہیں اور سوشل میڈیا میدانِ جنگ۔ بھارتی حکومت، خصوصاً بی جے پی کی قیادت، اس معاملے پر غیر معمولی خاموشی اختیار کیے ہوئے ہے۔ وزیراعظم نریندر مودی کی جانب سے کوئی واضح یا دوٹوک ردعمل سامنے نہ آنا کئی سوالات کو جنم دیتا ہے۔ کیا یہ خاموشی سفارتی مصلحت ہے یا کمزوری؟ اگر ایک بڑی جمہوریت کا سربراہ اپنے ملک کے بارے میں ایسے سخت الفاظ پر بھی کھل کر بات نہ کرے تو یہ اس کی عالمی ساکھ پر اثر انداز ہوسکتا ہے۔ دوسری جانب بھارتی اپوزیشن، بالخصوص کانگریس، نے اس موقع کو سیاسی تنقید کے لیے بھرپور استعمال کیا ہے۔ ان کا موقف ہے کہ مودی حکومت عالمی سطح پر بھارت کے وقار کے تحفظ میں ناکام ہو چکی ہے اور یہ خاموشی دراصل کمزور قیادت کا ثبوت ہے۔ اپوزیشن کا یہ بیانیہ نہ صرف داخلی سیاست کو گرما رہا ہے بلکہ عالمی سطح پر بھی بھارت کے امیج پر اثر ڈال سکتا ہے۔ سوشل میڈیا پر عوامی ردعمل اس سے بھی زیادہ دلچسپ اور پیچیدہ ہے۔ کچھ بھارتی صارفین نے ٹرمپ کے بیان کو تلخی کے باوجود حقیقت کے قریب قرار دیا، جو اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ بھارت کے اندرونی مسائل جیسے بے روزگاری، آئی ٹی سیکٹر میں غیر یقینی صورتحال اور سماجی تقسیم عوام کے ایک طبقے کو مایوس کر رہے ہیں۔ جب کسی بیرونی رہنما کے الفاظ کو اندرونی حلقوں میں پذیرائی ملنے لگے تو یہ محض تنقید نہیں بلکہ ایک گہری بے چینی کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ صورتحال عالمی سیاست میں ایک نئے رجحان کی عکاسی کرتی ہے جہاں سفارتی زبان کی شائستگی کم ہوتی جارہی ہے اور لیڈرز براہ راست، کبھی کبھار غیر ذمہ دارانہ انداز میں، بیانات دے رہے ہیں۔ اس کے اثرات نہ صرف دوطرفہ تعلقات پر پڑتے ہیں بلکہ عوامی سطح پر بھی نفسیاتی اور سماجی ردعمل کو جنم دیتے ہیں۔ بھارت جیسے بڑے اور اہم ملک کے لیے یہ لمحہ خود احتسابی کا بھی ہے۔ کیا داخلی پالیسیوں اور عالمی سفارت کاری میں توازن قائم ہے؟ کیا قیادت عوامی توقعات پر پوری اتر رہی ہے؟ اور سب سے اہم، کیا عالمی سطح پر ملک کے وقار کا مؤثر دفاع کیا جارہا ہے؟ آخرکار، الفاظ وقتی ہوتے ہیں مگر ان کے اثرات دیرپا ہوسکتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ عالمی رہنما اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے محتاط زبان استعمال کریں، جبکہ متاثرہ ممالک کو بھی اپنے وقار کے تحفظ کے لیے واضح اور مؤثر حکمت عملی اپنانی چاہیے۔

خیر اندیش

شیخ راشد عالم

چیف ایڈیٹر

Top Stories ٹاپ اسٹوریز

PAGE 04

پہلگام کا بیانیہ، حقیقت سیاست اور سوالات

(شیخ راشد عالم کا کالم)

PAGE 07

سرکاری افسران کے اثاثے دسمبر 2026ء تک عوام کے سامنے لانے کا فیصلہ

PAGE 05

ایرانی ڈرونز نے سپر پاور کے چھکے چھڑا دیئے

PAGE 08

ای ایف ایس اسکیم کا بڑے پیمانے پر غلط استعمال: قومی معیشت کے لیے خطرے کی گھنٹی

PAGE 06

رضا پہلوی جلاوطن شہزادہ یا سیاسی سراب؟

PAGE 12

خوش لباسی کی طرح خوش خوراکی نے بھی فیشن کی شکل اختیار کر لی ہے

چیف ایڈیٹر و پبلشر شیخ راشد عالم نے فیئر پرنٹنگ پریس راجہ کوثر بلڈنگ، برنس روڈ سے چھپوا کر H-41، پی ای سی ایچ ایس، بلاک 2 کراچی سے شائع کیا

Over 210K+ Followers on social media now shining in print too

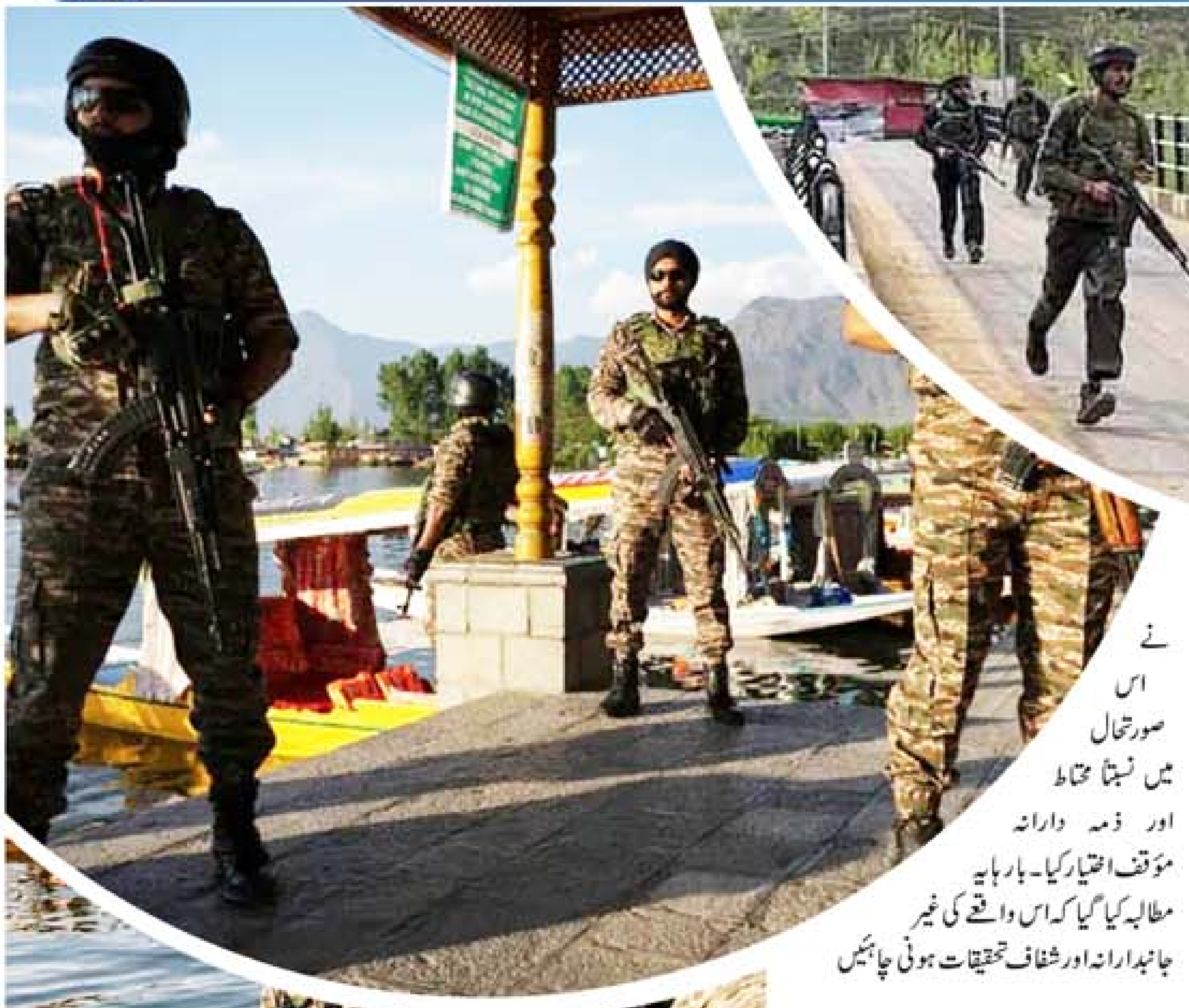

“حرفِ حق”

شیخ راشد عالم

جنوبی ایشیا میں بیانیے کی جنگ اب محض الفاظ کی حد تک نہیں رہی بلکہ یہ سفارت کاری، میڈیا اور عوامی رائے کے میدان میں ایک مستقل محاذ بن چکی ہے۔ ایسے میں بعض واقعات کو اس انداز سے پیش کیا جاتا ہے کہ وہ محض ایک سکیورٹی معاملہ نہیں

پہلگام کا بیانیہ، حقیقت سیاست اور سوالات

رہتے بلکہ ایک مکمل سیاسی حکمت عملی کا حصہ بن جاتے ہیں۔ پہلگام واقعہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، جسے ایک سال گزرنے کے باوجود مختلف زاویوں سے دیکھا جا رہا ہے۔

وفاقی وزیر اطلاعات ونشریات عطا تارڑ کی حالیہ پریس کانفرنس نے اس معاملے کو دوبارہ زندہ کر دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ بھارت آج تک اس واقعے کے حوالے سے اپنے مؤقف کے حق میں قابلِ اعتبار شواہد پیش نہیں کر سکا، جو اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ معاملہ محض ایک سادہ سکیورٹی واقعہ نہیں بلکہ اس کے پسِ منظر میں کچھ اور عوامل بھی کارفرما ہو سکتے ہیں۔

یہاں اصل سوال صرف ایک واقعے کا نہیں بلکہ اس کے بعد تشکیل پانے والے بیانیے کا ہے۔ جدید دور میں کسی بھی واقعے کی اہمیت اس بات سے بڑھ جاتی ہے کہ اسے کس طرح پیش کیا جاتا ہے۔ میڈیا، ریاستی بیانات اور سفارتی سرگرمیاں مل کر ایک ایسا تاثر پیدا کرتی ہیں جو عالمی رائے عامہ کو متاثر کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پہلگام واقعہ بھی جلد ہی ایک بڑے بیانیاتی تنازعے میں تبدیل ہو گیا۔

بھارت کی جانب سے فوری طور پر الزام تراشی اور اس کے بعد میڈیا میں اس بیانیے کو تقویت دینا ایک ایسی حکمت عملی کا حصہ محسوس ہوتا ہے جس کا مقصد عالمی سطح پر ہمدردی حاصل کرنا تھا۔ تاہم، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس بیانیے میں موجود خلا نمایاں ہونے لگے۔ جب سوالات اٹھے تو ان کے تسلی بخش جوابات سامنے نہیں آسکے، جس نے خود بھارتی مؤقف کو کمزور کیا۔

دوسری جانب پاکستان نے اس صورتحال میں نسبتاً محتاط اور ذمہ دارانہ مؤقف اختیار کیا۔ بارہا یہ مطالبہ کیا گیا کہ اس واقعے کی غیر جانبدارانہ اور شفاف تحقیقات ہونی چاہئیں تاکہ حقائق سامنے آسکیں۔ یہی وہ نقطہ تھا جس نے عالمی حلقوں میں توجہ حاصل کی، کیونکہ یکطرفہ الزامات کے بجائے شواہد پر مبنی مؤقف ہمیشہ زیادہ وزن رکھتا ہے۔

پہلگام واقعے کے بعد خطے میں کشیدگی میں واضح اضافہ دیکھنے میں آیا۔ سفارتی بیانات تیز ہوئے، میڈیا میں ایک دوسرے کے خلاف مہمات چلیں اور عسکری سطح پر بھی تناؤ محسوس کیا گیا۔

غالباً اسی واقعے کو بنیاد بنا کر بھارت نے ایک جارحانہ بیانیہ تشکیل دینے کی کوشش کی، تاہم اسے عالمی سطح پر وہ پذیرائی نہ مل سکی جس کی توقع کی جا رہی تھی۔ اس کے برعکس پاکستان نے سفارتی محاذ پر اپنے مؤقف کو مؤثر انداز میں پیش کیا، جس سے اس کا وقار عالمی سطح پر مزید مضبوط ہوا، جبکہ بھارت کو اپنے دعوؤں کے حق میں ٹھوس شواہد نہ ہونے کے باعث دباؤ کا سامنا کرنا پڑا۔

یہ تمام صورتحال اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ آج کی دنیا میں جنگ صرف سرحدوں پر نہیں لڑی جاتی بلکہ بیانیوں، اطلاعات اور سفارت کاری کے میدان میں بھی اس کا فیصلہ ہوتا ہے۔ جس فریق کا مؤقف زیادہ مضبوط، شواہد پر مبنی اور متوازن ہو، وہی عالمی سطح پر پذیرائی حاصل کرتا ہے۔

اس تناظر میں کشمیر کا مسئلہ بھی ایک اہم پس منظر فراہم کرتا ہے۔ پاکستان اسے ایک تسلیم شدہ بین الاقوامی تنازعہ قرار دیتا ہے جبکہ بھارت اسے داخلی معاملہ کہتا ہے یہی بنیادی اختلاف ہر ایسے واقعے کو مزید حساس بنا دیتا ہے اور دونوں ممالک کے بیانیوں کو ایک دوسرے کے مقابل لا کھڑا کرتا ہے۔

عطا تارڑ نے اپنی گفتگو میں بھارتی میڈیا کے کردار پر بھی تنقید کی اور کہا کہ اسے ایک پروپیگنڈا ٹول کے طور پر استعمال کیا گیا۔ یہ الزام اپنی جگہ، لیکن اس سے ایک بڑی حقیقت سامنے آتی ہے کہ میڈیا اب صرف خبر دینے والا ادارہ نہیں رہا بلکہ ریاستی بیانیے کی تشکیل میں ایک فعال کردار ادا کر رہا ہے۔

مزید برآں، اقلیتوں کے حقوق، ہندوتوا نظریے اور خطے میں بڑھتی ہوئی عدم برداشت جیسے موضوعات بھی اس بیانیے کا حصہ بن چکے ہیں۔ جب کسی ملک کے اندرونی حالات پر سوالات اٹھتے ہیں تو اس کا اثر اس کی خارجی پالیسی اور عالمی ساکھ پر بھی پڑتا ہے۔

پاکستان کی جانب سے دہشت گردی کے خلاف جنگ میں اپنی قربانیوں اور عزم کو بھی اجاگر کیا جا رہا ہے، جو ایک حقیقت ہے کہ ملک نے اس حوالے سے بھاری قیمت ادا کی ہے۔ یہی پس منظر پاکستان کے مؤقف کو تقویت دیتا ہے کہ وہ دہشت گردی کے خلاف سنجیدہ ہے اور کسی بھی الزام کو شواہد کی بنیاد پر پرکھنے کا مطالبہ کرتا ہے۔

واضح رہے کہ پہلگام واقعہ گزشتہ برس مقبوضہ کشمیر کے سیاحتی مقام پہلگام میں پیش آیا تھا، جہاں ایک حملے کے بعد جانی نقصان کی اطلاعات سامنے آئیں۔ بھارت نے فوری طور پر اس کا الزام پاکستان پر عائد کیا، جبکہ پاکستان نے اس الزام کو مسترد کرتے ہوئے اسے ایک منظم فالس فلیگ آپریشن قرار دیا۔

یہی وہ نقطہ ہے جہاں سے ایک واقعہ بیانیے میں ڈھلتا ہے اور پھر بیانیہ سفارت کاری، سیاست اور عالمی رائے عامہ کو متاثر کرتا ہے۔ جنوبی ایشیا میں پائیدار امن کے لیے ضروری ہے کہ ایسے واقعات کو جذباتی نعروں کے بجائے حقائق، شواہد اور سنجیدہ مکالمے کے ذریعے حل کیا جائے کیونکہ بالآخر سچائی ہی وہ بنیاد ہے جس پر دیرپا استحکام قائم ہو سکتا ہے۔

Over 210K+ Followers on social media now shining in print too

نشید آفاقی

ایرانی ڈرونز نے سپر پاور کے چھکے چھڑا دیئے

معروف دفاعی تجزیہ کار خریف اکرم کی کتاب In The Shadow of The Shahed سے استفادہ کیا گیا

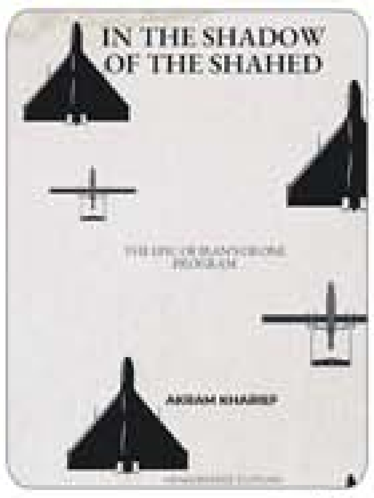

جدید جنگی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو ایک بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ طاقت کا معیار بدل چکا ہے۔ اب صرف ایٹمی ہتھیار، ٹینکوں کی قطاریں یا جدید لڑاکا طیارے ہی برتری کی ضمانت نہیں رہے، بلکہ ذہانت، حکمت عملی اور ٹیکنالوجی کا درست استعمال فیصلہ کن حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ اسی بدلتی دنیا کو معروف دفاعی تجزیہ کار خریف اکرم نے اپنی کتاب In The Shadow Of The Shahed نہایت گہرائی سے بیان کیا ہے، جہاں ایران کی ڈرون صنعت کو ایک نئے عالمی رجحان کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

ایران کی مثال اس حوالے سے غیر معمولی ہے۔ ایک ایسا ملک جو دہائیوں سے معاشی پابندیوں، سفارتی دباؤ اور عسکری تنہائی کا شکار رہا، اس نے محدود وسائل کے باوجود اپنی کمزوری کو طاقت میں بدل دیا۔ روایتی فضائی قوت میں کمی کو ایران نے ڈرون ٹیکنالوجی کے ذریعے پورا کیا اور آج وہ اس میدان میں ایک نمایاں مقام رکھتا ہے۔

اکرم خریف کے مطابق، ایران نے ڈرونز کو محض ایک ہتھیار کے طور پر نہیں دیکھا بلکہ ایک مکمل حکمت عملی کے طور پر اپنایا۔ اس حکمت عملی کی بنیاد کم لاگت، زیادہ اثر اور مسلسل اپ گریڈیشن پر رکھی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ ایران کے ڈرونز نہ صرف نگرانی بلکہ حملے، انٹیلی جنس اور نفسیاتی دباؤ کے لیے بھی استعمال ہو رہے ہیں۔

یہ حقیقت اب کسی سے پوشیدہ نہیں رہی کہ ایران کے ڈرونز نے عالمی طاقتوں کو بھی حیران کر دیا ہے۔ وہ ممالک جو اربوں ڈالر خرچ کر کے جدید جنگی نظام تیار کرتے ہیں، انہیں کم لاگت ایرانی ڈرونز سے نمٹنے کے لیے نئی حکمت عملیاں بنانا پڑ رہی ہیں۔ یہی وہ نکتہ ہے جہاں "سپر پاور" کا روایتی تصور چیلنج ہوتا دکھائی دیتا ہے۔

ایران کی اس کامیابی کے پیچھے ایک واضح فلسفہ کارفرما ہے "جنگ وسائل سے نہیں، سوچ سے جیتی جاتی ہے۔"

ایران نے اس سوچ کو عملی شکل دیتے ہوئے اپنی دفاعی پالیسی کو تبدیل کیا۔ اس نے مہنگے لڑاکا طیاروں کے بجائے ایسے ڈرونز تیار کیے جو کم خرچ، آسانی سے تیار ہونے والے اور بیک وقت بڑی تعداد میں استعمال کیے جا سکتے ہیں۔ اس حکمت عملی نے اسے ایک نئی قسم کی عسکری طاقت فراہم کی جسے "اسمٹرک وارفیئر" کہا جاتا ہے۔

اکرم خریف اپنی کتاب میں ایک اہم پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ ایران نے ڈرونز کو صرف اپنے دفاع تک محدود نہیں رکھا بلکہ انہیں اپنی خارجہ پالیسی کا حصہ بھی بنا لیا۔ مختلف خطوں میں اس ٹیکنالوجی کا اثر دکھائی دیتا ہے، جہاں ڈرونز کے ذریعے نہ صرف عسکری برتری حاصل کی جا رہی ہے بلکہ سیاسی اثر و رسوخ بھی بڑھایا جا رہا ہے۔

یہاں ایک اور اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر ایران اس میدان میں اتنی تیزی سے کیسے آگے بڑھا؟ اس کا جواب پابندیوں میں چھپا ہے۔ جب کسی ملک پر ٹیکنالوجی کی رسائی محدود کر دی جائے تو وہ مجبوراً خود انحصاری کی طرف جاتا ہے۔ ایران نے بھی یہی کیا۔ اس نے مقامی انجینئرز، یونیورسٹیوں اور ریسرچ اداروں کو استعمال کرتے ہوئے ایک ایسا نظام بنایا جو مکمل طور پر داخلی صلاحیتوں پر مبنی ہے۔

یہی خود انحصاری آج اس کی سب سے بڑی طاقت بن چکی ہے۔ ایران نہ صرف اپنے لیے ڈرون بنا رہا ہے بلکہ دیگر ممالک کے لیے بھی ایک ماڈل بن چکا ہے کہ کس طرح کم وسائل میں جدید ٹیکنالوجی حاصل کی جا سکتی ہے۔

ایران کے ڈرون پروگرام کی ایک اور نمایاں خصوصیت اس کی لچک ہے۔ روایتی ہتھیاروں کے برعکس، ڈرونز کو آسانی سے اپ گریڈ کیا جا سکتا ہے۔ نئی ٹیکنالوجی، مصنوعی ذہانت اور خودکار نظام کو شامل کر کے انہیں مزید مؤثر بنایا جا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایران مسلسل اس میدان میں ترقی کر رہا ہے اور پیچھے نہیں ہٹ رہا۔

اکرم خریف کے تجزیے کے مطابق، مستقبل کی جنگیں مکمل طور پر بدل جائیں گی۔ میدان جنگ میں انسانوں کی جگہ مشینیں لیں گی، اور فیصلہ کن عنصر رفتار اور ڈیٹا ہوگا۔ ایران نے اس تبدیلی کو وقت سے پہلے سمجھ لیا اور اسی لیے آج وہ اس دوڑ میں شامل ہی نہیں بلکہ کئی حوالوں سے آگے دکھائی دیتا ہے۔

تاہم، یہ کہنا بھی درست ہوگا کہ اس میدان میں چیلنجز موجود ہیں۔ جدید اینٹی ڈرون سسٹمز، الیکٹرانک وارفیئر اور سائبر ٹیکنالوجی ایران کے لیے رکاوٹ بن سکتی ہیں۔ لیکن ایران کی حکمت عملی ہمیشہ سے یہی رہی ہے کہ وہ ہر چیلنج کو ایک نئے موقع میں بدل دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی پیش رفت رکنے کے بجائے مزید تیز ہوتی جا رہی ہے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ ایران نے ڈرون ٹیکنالوجی کو صرف جنگ تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے سول مقاصد کے لیے بھی استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ زراعت، ریسکیو آپریشنز، سرحدی نگرانی اور قدرتی آفات میں مدد کے لیے بھی ڈرونز کا استعمال بڑھ رہا ہے۔ یہ پہلو اس صنعت کو مزید پائیدار اور مفید بناتا ہے۔

اگر وسیع تناظر میں دیکھا جائے تو ایران کی ڈرون صنعت ایک سبق بھی دیتی ہے۔ یہ سبق ہے خود انحصاری کا، جدت کا اور حالات سے فائدہ اٹھانے کا۔ ایک ایسا ملک جسے کمزور سمجھا جاتا تھا، اس نے اپنی حکمت عملی سے عالمی طاقتوں کو حیران کر دیا۔

آخر میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ ایران کی ڈرون ٹیکنالوجی صرف ایک عسکری کامیابی نہیں بلکہ ایک فکری کامیابی بھی ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اگر مقصد واضح ہو اور حکمت عملی درست ہو تو محدود وسائل بھی بڑی کامیابی میں تبدیل ہو سکتے ہیں۔

ایرانی ڈرونز نے واقعی سپر پاور کے "چھکے چھڑا دیئے" ہیں اور یہ سلسلہ ابھی رکا نہیں، بلکہ مزید تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے۔

Over 210K+ Followers on social media now shining in print too

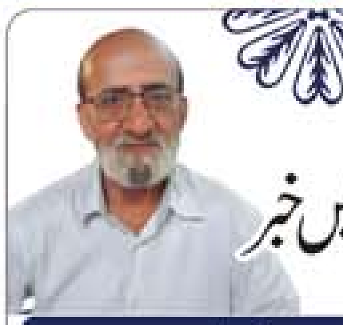

خبر میں خبر

ماجد علی سید

رضا پہلوی جلاوطن شہزادہ یا سیاسی سراب؟

ایران کی سیاست میں کچھ کردار ایسے ہوتے ہیں جو وقت کے ساتھ ختم نہیں ہوتے، بلکہ ایک سوال بن کر زندہ رہتے ہیں رضا پہلوی بھی انہی میں سے ایک ہیں، نہ اقتدار میں، نہ ایران میں، مگر پھر بھی خود کو مستقبل کا ممکنہ رہنما سمجھتے ہیں۔ حالیہ دنوں میں برلن میں پیش آنے والا واقعہ، جہاں ان پر سرخ رنگ پھینکا گیا، محض ایک احتجاج نہیں بلکہ ایک بڑی سیاسی کہانی کا استعارہ ہے۔ سوال وہی ہے کہ کیا رضا پہلوی واقعی ایران کا مستقبل ہیں یا ماضی کی ایک بازگشت؟

ایران کی جدید تاریخ کا سب سے بڑا موڑ انقلاب ایران تھا، جب محمد رضا پہلوی کی بادشاہت کا خاتمہ ہوا اور ایک نیا اسلامی نظام اُبھرا۔ یہ انقلاب صرف ایک حکومت کی تبدیلی نہیں تھا بلکہ ایک سوچ، ایک نظام اور ایک طرزِ حکمرانی کے خلاف عوامی ردعمل تھا۔ اسی انقلاب نے رضا پہلوی کو جلاوطنی کی زندگی پر مجبور کیا، ایک ایسی جلاوطنی جو اب چار دہائیوں پر محیط ہو چکی ہے۔

رضا پہلوی کی سیاست کو سمجھنے کے لیے ان کی شخصیت کے تضادات کو سمجھنا ضروری ہے۔ وہ خود کو جمہوریت، انسانی حقوق اور سیکولرازم کا علمبردار قرار دیتے ہیں، مگر ان کا تعلق ایک ایسی بادشاہت سے ہے جس پر آمریت، سیاسی جبر اور مغرب نواز پالیسیوں کے الزامات لگتے رہے۔ یہی تضاد ان کی سیاست کا بنیادی مسئلہ ہے، وہ ماضی سے مکمل طور پر الگ بھی نہیں ہو پاتے اور حال میں مکمل طور پر فٹ بھی نہیں بیٹھتے۔

حالیہ دنوں میں انہوں نے خود کو ایران کے ممکنہ "عبوری رہنما" کے طور پر پیش کیا ہے اور مغربی دنیا سے حمایت کی اپیل کی ہے۔ ان کا موقف ہے کہ ایران میں موجودہ نظام کمزور ہو چکا ہے اور تبدیلی ناگزیر ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا کسی بھی ملک میں حقیقی تبدیلی بیرونی حمایت یا دباؤ سے آتی ہے؟ تاریخ تو اس کے برعکس کہتی ہے۔

رضا پہلوی ان دنوں جرمنی کے دورے پر ہیں جہاں وہ جرمن ارکانِ پارلیمنٹ سے ملاقاتیں کر رہے ہیں اور ایران میں حکومت کی تبدیلی کے لیے عالمی حمایت حاصل کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔

برلن میں اپنی حالیہ پریس کانفرنس کے دوران رضا پہلوی نے ایک بار پھر خود کو ایرانی عوام کی آواز کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے کہا "میں یہاں صرف ایک فرد کے طور پر نہیں بلکہ کروڑوں ایرانیوں کی آواز بن کر کھڑا ہوں، جو اپنے ملک میں آزادی اور وقار کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔"

یہ جملہ بظاہر ایک مضبوط سیاسی دعویٰ ہے، مگر اس کے پیچھے چھپا سوال اپنی جگہ موجود ہے، کیا واقعی وہ ان ''کروڑوں ایرانیوں'' کی نمائندگی کرتے ہیں؟

رضا پہلوی نے اپنی تقریر میں ایرانی حکومت پر شدید تنقید کرتے ہوئے کہا "ایران کے عوام ایک ایسے نظام کے تحت زندگی گزار رہے ہیں جہاں بنیادی انسانی حقوق مسلسل پامال ہو رہے ہیں، اظہارِ رائے کی آزادی محدود ہے اور سیاسی مخالفین کو دبایا جاتا ہے۔"

برلن میں ان کی پریس کانفرنس اسی تضاد کی ایک واضح مثال تھی۔ انہوں نے نہ صرف ایران کی موجودہ حکومت کے ساتھ مذاکرات کو مسترد کیا بلکہ امریکا اور اسرائیل کے حملوں کو بھی ایران میں تبدیلی کے لیے ضروری قرار دیا۔

یہ موقف ایک عام ایرانی شہری کے لیے کتنا قابلِ قبول ہو سکتا ہے؟ ایک ایسا رہنما جو اپنے ہی ملک پر بیرونی حملوں کی حمایت کرے، کیا وہ واقعی عوامی نمائندہ بن سکتا ہے؟

اسی پریس کانفرنس کے بعد پیش آنے والا واقعہ، ان پر سرخ رنگ پھینکا جانا، بظاہر ایک احتجاج تھا، مگر درحقیقت یہ ایک علامت بھی ہے۔ یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ مخالفت صرف ایران کے اندر نہیں بلکہ بیرون ملک بھی موجود ہے۔

سوشل میڈیا پر وائرل ہونے والی ویڈیوز میں ان کے کپڑوں پر لگا سرخ رنگ ایک لمحاتی واقعہ ضرور تھا، مگر اس نے ان کی سیاست پر ایک مستقل سوال کھڑا کر دیا۔

رضا پہلوی کا ایک اور دعویٰ یہ ہے کہ وہ ایران کی "جنریشن زیڈ" میں مقبول ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میڈیا کی رسائی نہ ہونے کی وجہ سے یہ حقیقت سامنے نہیں آ رہی۔ یہ دعویٰ اپنی جگہ، مگر سیاست میں مقبولیت کا اندازہ بیانات سے نہیں بلکہ زمینی حقائق سے لگایا جاتا ہے۔ ایک ایسا رہنما جو 40 سال سے اپنے ملک سے باہر ہو، جس نے کبھی عوامی جدوجہد کا براہِ راست سامنا نہ کیا ہو، اس کی مقبولیت کا دعویٰ ہمیشہ سوالیہ نشان رہے گا۔

ان کی تقاریر میں ایک مستقل عنصر امید کا بیانیہ ہے۔ وہ ایک ایسے ایران کی بات کرتے ہیں جہاں قانون کی حکمرانی ہو، جمہوریت ہو، اور ہر شہری کو برابر کے حقوق حاصل ہوں۔ وہ خواتین، طلبہ اور نوجوانوں کی جدوجہد کو سراہتے ہیں اور خود کو ان کی آواز قرار دیتے ہیں۔

مگر سیاست صرف بیانیے سے نہیں چلتی، اس کے لیے زمینی جڑیں، تنظیمی ڈھانچہ، اور عوامی اعتماد ضروری ہوتا ہے۔ یہی وہ عناصر ہیں جو رضا پہلوی کے پاس محدود نظر آتے ہیں۔

ان کے ناقدین کا کہنا ہے کہ وہ ایک "سیاسی موقع پرست" ہیں، جو ہر بحران کو اپنے بیانیے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ خاص طور پر حالیہ علاقائی کشیدگی کے دوران ان کے بیانات نے اس تاثر کو مزید تقویت دی ہے۔ اسرائیلی قیادت سے روابط اور حملوں کی حمایت نے ان کی ساکھ کو ایک مخصوص دائرے تک محدود کر دیا ہے۔

دوسری جانب، ان کے حامی انہیں ایک معتدل اور قابلِ قبول متبادل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ ان کا موقف ہے کہ ایران میں موجودہ نظام کے مقابلے میں رضا پہلوی ایک نرم، جمہوری اور عالمی سطح پر قابلِ قبول چہرہ ہیں۔ مگر سوال پھر وہی ہے: کیا عالمی قبولیت، مقامی حمایت کا متبادل بن سکتی ہے؟

ایران کی سیاست ایک پیچیدہ اور کثیر الجہتی حقیقت ہے۔ یہاں مذہب، قومیت، تاریخ اور سیاست ایک دوسرے میں گندھے ہوئے ہیں۔ کسی بھی تبدیلی کے لیے ان تمام عوامل کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ ایک جلاوطن رہنما، چاہے وہ کتنا ہی منظم یا پرجوش کیوں نہ ہو، اس پیچیدگی کو مکمل طور پر سمجھ اور کنٹرول نہیں کر سکتا۔

رضا پہلوی کی سیاست دراصل ایک جدوجہد ہے، شناخت کی جدوجہد، قبولیت کی جدوجہد، اور اقتدار کی خواہش کی جدوجہد۔ وہ نہ مکمل طور پر ماضی کا حصہ ہیں، نہ حال کا۔ وہ ایک ایسے "درمیانی خلا" میں کھڑے ہیں جہاں امکانات بھی ہیں اور حدود بھی۔

آخر میں بات وہی آ کر رکتی ہے کہ ایران کا مستقبل کسی ایک شخصیت کے ہاتھ میں نہیں بلکہ اس کے عوام کے فیصلوں میں ہے۔

رضا پہلوی چاہے خود کو جتنا بھی ایک متبادل کے طور پر پیش کریں، حقیقت یہی ہے کہ کسی بھی سیاسی تبدیلی کی بنیاد عوامی حمایت ہوتی ہے اور یہ حمایت نہ بیانات سے حاصل ہوتی ہے، نہ بیرونی طاقتوں کے سہارے تو سوال اب بھی وہی ہے کہ ''کیا رضا پہلوی واقعی ایک نئے ایران کی امید ہیں، یا صرف ایک پرانے ایران کی یاد؟ شاید اس کا جواب وقت دے گا یا پھر ایران کے عوام۔

سرکاری افسران کے اثاثے دسمبر 2026ء تک عوام کے سامنے لانے کا فیصلہ

پاکستان واچ رپورٹ

حکومتِ پاکستان کی جانب سے بین الاقوامی مالیاتی ادارے International Monetary Fund (آئی ایم ایف) کو اینٹی کرپشن اصلاحات تیز کرنے کی یقین دہانی ایک اہم پیش رفت ہے، جو نہ صرف معیشت کی بہتری بلکہ ریاستی نظام میں شفافیت کے فروغ کی سمت ایک مثبت قدم قرار دی جا سکتی ہے۔ حالیہ اقدامات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حکومت بدعنوانی کے خاتمے اور مالی نظم و ضبط کو مضبوط بنانے کے لیے سنجیدہ ہے۔

سب سے اہم فیصلہ سرکاری افسران کے اثاثے دسمبر 2026ء تک عوام کے سامنے لانے کا ہے۔ یہ اقدام پاکستان میں شفافیت کے کلچر کو فروغ دے سکتا ہے، کیونکہ عوامی عہدوں پر فائز افراد کے مالی معاملات کو عوام کے سامنے لانا احتساب کے عمل کو مضبوط بناتا ہے۔ دنیا کے کئی ترقی یافتہ ممالک میں اس طرز کی پالیسی پہلے ہی کامیابی سے نافذ ہے، جہاں عوامی اعتماد میں اضافہ ہوا ہے۔

اسی طرح بینکوں کو سرکاری افسران کے اثاثوں تک رسائی دینا بھی ایک بڑا قدم ہے۔ اس سے نہ صرف مشکوک مالی سرگرمیوں کی بروقت نشاندہی ممکن ہوگی بلکہ منی لانڈرنگ جیسے جرائم کی روک تھام میں بھی مدد ملے گی۔ تاہم اس عمل میں شہریوں کی پرائیویسی اور قانونی تقاضوں کو مدنظر رکھنا بھی ضروری ہوگا تاکہ نظام شفاف ہونے کے ساتھ ساتھ منصفانہ بھی رہے۔

حکومت کی جانب سے ڈیجیٹل نظام متعارف کروانے کا فیصلہ وقت کی اہم ضرورت ہے۔ سرکاری افسران کے اثاثے ڈیجیٹل طریقے سے جمع کرنے اور ان کا ریکارڈ محفوظ کرنے سے نہ صرف ڈیٹا کی درستگی بڑھے گی بلکہ اس میں ردوبدل کے امکانات بھی کم ہو جائیں گے۔ فیڈرل بورڈ آف ریونیو کا ڈیجیٹل پلیٹ فارم اس حوالے سے کلیدی کردار ادا کرے گا، جو ٹیکس نظام میں شفافیت لانے کے ساتھ ساتھ بدعنوانی کے امکانات کو بھی محدود کرے گا۔

لوٹی ہوئی دولت کو بیرونِ ملک سے واپس لانے کے لیے عالمی معاہدوں میں بہتری کا پلان بھی انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ ماضی میں پاکستان کو اس حوالے سے متعدد مشکلات کا سامنا رہا ہے، جہاں قانونی پیچیدگیوں اور بین الاقوامی تعاون کی کمی کے باعث ریکوری کا عمل سست روی کا شکار رہا۔ اگر حکومت اس ضمن میں مؤثر سفارتی اور قانونی حکمت عملی اپناتی ہے تو یہ قومی خزانے کے لیے ایک بڑی کامیابی ثابت ہوسکتی ہے۔

مزید برآں، منجمد، ریکور شدہ اور واپس لائے گئے اثاثوں کا ڈیجیٹل ڈیٹا بیس تیار کرنا ایک جدید اور مؤثر اقدام ہے۔ اس سے نہ صرف تمام معلومات ایک جگہ دستیاب ہوں گی بلکہ پالیسی سازوں کو بہتر فیصلے کرنے میں بھی مدد ملے گی۔ اس کے ساتھ ساتھ ایسٹ ریکوری اور مینجمنٹ یونٹس کو مضبوط بنانا بھی ضروری ہے تاکہ ریکور شدہ اثاثوں کا مؤثر استعمال یقینی بنایا جاسکے۔

کرپشن کے خطرات کم کرنے کے لیے 10 بڑے محکموں کی نشاندہی ایک اسٹریٹجک اقدام ہے۔ یہ وہ شعبے ہیں جہاں بدعنوانی کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں، جیسے کہ ریونیو، انفراسٹرکچر، اور پبلک پروکیورمنٹ۔ ان محکموں میں خصوصی نگرانی اور اصلاحات کے ذریعے کرپشن کے بڑے نیٹ ورکس کو توڑا جاسکتا ہے۔

مشکوک مالی ٹرانزیکشنز کی رپورٹنگ کے معیار اور تعداد میں اضافہ بھی ایک اہم قدم ہے۔ اس سے مالیاتی نظام میں شفافیت بڑھے گی اور غیر قانونی سرگرمیوں کی بروقت نشاندہی ممکن ہوگی۔ اسی طرح اکتوبر 2026ء تک کرپشن کے خلاف ایک جامع ایکشن پلان تیار کرنا حکومت کی سنجیدگی کو ظاہر کرتا ہے۔

حکومت کی جانب سے ہر چھ ماہ بعد اصلاحات کی رپورٹ جاری کرنے کی یقین دہانی شفافیت کی جانب ایک مثبت اشارہ ہے۔ اس سے نہ صرف عوام کو پیش رفت سے آگاہی ملے گی بلکہ بین الاقوامی اداروں کا اعتماد بھی بحال ہوگا۔ یہ عمل حکومت کو اپنی کارکردگی کا مسلسل جائزہ لینے کا موقع بھی فراہم کرے گا۔

قومی احتساب بیورو کو مزید خودمختاری دینا بھی اصلاحات کا ایک اہم حصہ ہے۔ ایک خودمختار احتسابی ادارہ ہی مؤثر طریقے سے بدعنوانی کے خلاف کارروائی کرسکتا ہے۔ قومی احتساب بیورو کی جانب سے نیشنل رسک اسیسمنٹ کا انعقاد بھی ایک مثبت قدم ہے، جس سے ملک میں کرپشن کے خطرات کی نشاندہی اور ان کے تدارک کے لیے حکمت عملی تیار کی جاسکے گی۔

اینٹی منی لانڈرنگ اور کاؤنٹر ٹیرر فنانسنگ کے تحت ٹاسک فورس کا قیام بھی قابلِ ذکر ہے، جس میں فیڈرل انویسٹی گیشن ایجنسی، فیڈرل بورڈ آف ریونیو، آڈیٹر جنرل اور سیکیورٹیز اینڈ ایکسچینج کمیشن آف پاکستان سمیت دیگر ادارے شامل ہوں گے۔ یہ بین الادارہ جاتی تعاون کرپشن اور مالی جرائم کے خلاف ایک مربوط حکمت عملی کو یقینی بنائے گا۔

نیب چیئرمین کی تعیناتی کے طریقہ کار میں بہتری کا فیصلہ بھی ایک اہم اصلاح ہے۔ اپوزیشن کی نمائندگی کے ساتھ کمیشن کے قیام کی تجویز شفافیت اور غیر جانبداری کو فروغ دے سکتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ میرٹ، شفاف اور اوپن سلیکشن سسٹم کا نفاذ ادارے کی ساکھ کو مزید مضبوط کرے گا۔

نیب کے قواعد اور کارکردگی رپورٹ کو عوام کے لیے جاری کرنا ایک انقلابی قدم ثابت ہو سکتا ہے۔ اس سے ادارے کی کارکردگی پر عوامی نگرانی ممکن ہوگی اور احتساب کا عمل مزید شفاف بنے گا۔ اسی طرح منی لانڈرنگ سے متعلق تحقیقات اور سزاؤں کے طریقہ کار کو مضبوط کرنا بھی ناگزیر ہے تاکہ مجرموں کو قانون کے مطابق سخت سزائیں دی جاسکیں۔

اگر مجموعی طور پر دیکھا جائے تو حکومت کے یہ اقدامات ایک جامع اینٹی کرپشن فریم ورک کی تشکیل کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ تاہم ان اصلاحات کی کامیابی کا دارومدار ان کے مؤثر نفاذ پر ہے۔ ماضی میں بھی کئی اچھی پالیسیز بنائی گئیں، مگر ان پر عملدرآمد میں کمزوری کے باعث مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہوسکے۔

اس لیے ضروری ہے کہ حکومت نہ صرف ان اصلاحات کو بروقت نافذ کرے بلکہ ان کی نگرانی کے لیے ایک مضبوط میکانزم بھی تشکیل دے۔ عدالتی نظام کی بہتری، بیوروکریسی کی تربیت، اور عوامی شعور کی بیداری بھی اس عمل کا حصہ ہونی چاہیے۔

آخر میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر یہ اصلاحات کامیابی سے نافذ ہو جاتی ہیں تو پاکستان میں شفافیت، احتساب اور گڈ گورننس کے ایک نئے دور کا آغاز ہوسکتا ہے۔ یہ نہ صرف ملکی معیشت کو مستحکم کرے گا بلکہ عالمی سطح پر پاکستان کی ساکھ کو بھی بہتر بنائے گا۔

ای ایف ایس اسکیم کا بڑے پیمانے پر غلط استعمال

قومی معیشت کے لیے خطرے کی گھنٹی

پاکستان واچ رپورٹ

پاکستان کی معیشت اس وقت جن چیلنجز سے دوچار ہے، ان میں محصولات کی کمی، درآمدی دباؤ اور صنعتی شعبے کی سست روی نمایاں ہیں۔ ایسے میں اگر حکومتی سہولتوں پر مبنی اسکیمیں ہی بدعنوانی اور غلط استعمال کا شکار ہو جائیں تو صورتحال مزید سنگین ہو جاتی ہے۔ ایکسپورٹ فیسلیٹیشن اسکیم (ای ایف ایس) بھی ایک ایسی ہی اسکیم ہے جس کا بنیادی مقصد برآمدات کو فروغ دینا تھا، مگر حالیہ انکشافات نے اس کے برعکس ایک تشویشناک تصویر پیش کی ہے۔

پاکستان کیمیکلز اینڈ ڈائز مرچنٹس ایسوسی ایشن (پی سی ڈی ایم اے) کے چیئرمین سلیم ولی محمد کی جانب سے پیش کیے گئے تفصیلی تجزیے نے حکومتی حلقوں اور کاروباری برادری میں ہلچل مچا دی ہے۔ ان کے مطابق ای ایف ایس کے تحت درآمدات کا بڑے پیمانے پر غلط استعمال ہو رہا ہے، جس کے نتیجے میں نہ صرف قومی خزانے کو بھاری نقصان پہنچ رہا ہے بلکہ جائز کمرشل درآمدات اور مقامی صنعتیں بھی شدید متاثر ہو رہی ہیں۔

ای ایف ایس اسکیم دراصل ایک سہولت ہے جس کے تحت برآمد کنندگان کو خام مال اور دیگر اشیاء ڈیوٹی فری درآمد کرنے کی اجازت دی جاتی ہے تاکہ وہ کم لاگت پر مصنوعات تیار کر کے عالمی منڈی میں مسابقت حاصل کر سکیں۔ یہ اسکیم اصولی طور پر معیشت کے لیے فائدہ مند ہے، کیونکہ اس سے برآمدات بڑھتی ہیں اور زرمبادلہ حاصل ہوتا ہے۔ تاہم، جب اس سہولت کا غلط استعمال شروع ہو جائے تو یہی اسکیم معیشت کے لیے نقصان دہ بن جاتی ہے۔

تجزیے کے مطابق ایچ ایس کوڈز 28 تا 39 کے تحت ای ایف ایس درآمدات تقریباً 470 ارب روپے تک پہنچ چکی ہیں، جو کمرشل درآمدات (275 ارب روپے) سے 70 فیصد زیادہ ہیں۔ یہ غیر معمولی فرق اس بات کی واضح نشاندہی کرتا ہے کہ درآمد شدہ مال اپنی اصل مقصد یعنی برآمدی پیداوار میں استعمال ہونے کے بجائے مقامی مارکیٹ میں فروخت ہو رہا ہے۔ اس عمل سے حکومت کو محصولات کی مد میں بھاری نقصان اٹھانا پڑ رہا ہے، جس کا تخمینہ 115 سے 140 ارب روپے کے درمیان لگایا گیا ہے۔

پولیمرز (ایچ ایس کوڈ 3901) کی مثال اس رجحان کو مزید واضح کرتی ہے، جہاں ای ایف ایس کے تحت درآمدات 72.9 ارب روپے تک پہنچ گئی ہیں جبکہ کمرشل درآمدات صرف 38.7 ارب روپے رہ گئی ہیں۔ یہ فرق اس بات کا ثبوت ہے کہ ڈیوٹی فری درآمد شدہ مال مارکیٹ میں فروخت ہو رہا ہے، جس سے نہ صرف ریونیو کا نقصان ہو رہا ہے بلکہ وہ درآمد کنندگان بھی متاثر ہو رہے ہیں جو قانونی طریقے سے ڈیوٹی ادا کر کے کاروبار کر رہے ہیں۔

اس صورتحال کے کئی منفی اثرات سامنے آ رہے ہیں۔ سب سے پہلے تو قومی خزانے کو بھاری نقصان پہنچ رہا ہے، جس سے حکومت کی مالی پوزیشن کمزور ہو رہی ہے۔ دوسرا، مقامی صنعتوں کو نقصان ہو رہا ہے کیونکہ انہیں غیر منصفانہ مقابلے کا سامنا ہے۔ تیسرا، مارکیٹ میں قیمتوں کا توازن بگڑ رہا ہے کیونکہ ڈیوٹی فری مال کم قیمت پر فروخت ہو رہا ہے، جس سے قانونی کاروبار کرنے والوں کے لیے مشکلات بڑھ رہی ہیں۔

مزید برآں، اس طرح کی بے ضابطگیاں معیشت میں شفافیت کو بھی متاثر کرتی ہیں اور سرمایہ کاروں کے اعتماد کو ٹھیس پہنچاتی ہیں۔ جب قوانین پر عملدرآمد کمزور ہو اور سہولتوں کا غلط استعمال عام ہو جائے تو کاروباری ماحول غیر یقینی کا شکار ہو جاتا ہے، جس کے نتیجے میں نئی سرمایہ کاری متاثر ہوتی ہے۔

سلیم ولی محمد نے اس سنگین صورتحال کے پیش نظر حکومت کو کئی اہم تجاویز بھی پیش کی ہیں۔ ان میں سب سے اہم پوسٹ کلیئرنس آڈٹ کا نظام مضبوط کرنا ہے تاکہ درآمد شدہ مال کے اصل استعمال کی جانچ پڑتال کی جا سکے۔ اس کے علاوہ درآمدات اور برآمدات کے درمیان لازمی ریکنسلی ایشن (مطابقت) کو یقینی بنانے کی بھی تجویز دی گئی ہے تاکہ یہ معلوم کیا جا سکے کہ ڈیوٹی فری درآمد شدہ مال واقعی برآمدی مصنوعات میں استعمال ہو رہا ہے یا نہیں۔

انہوں نے ہر ایچ ایس کوڈ کے لیے امپورٹ کیپ مقرر کرنے کی تجویز بھی دی ہے تاکہ کسی ایک شعبے میں غیر معمولی درآمدات کو روکا جا سکے۔ مزید برآں، ڈیجیٹل ڈیٹا انٹیگریشن کے ذریعے مختلف اداروں کے درمیان معلومات کے تبادلے کو بہتر بنانے پر بھی زور دیا گیا ہے تاکہ شفافیت کو فروغ دیا جا سکے اور بے ضابطگیوں کی بروقت نشاندہی ہو سکے۔

یہ تجاویز نہایت اہم اور بروقت ہیں، مگر اصل چیلنج ان پر موثر عملدرآمد ہے۔ ماضی میں بھی کئی اصلاحاتی اقدامات تجویز کیے گئے، مگر ان پر مکمل عملدرآمد نہ ہونے کے باعث مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہو سکے۔ اس بار ضروری ہے کہ حکومت سنجیدگی کا مظاہرہ کرے اور اس مسئلے کو ترجیحی بنیادوں پر حل کرے۔

حکومت کو چاہیے کہ وہ ای ایف ایس اسکیم کا جامع جائزہ لے اور اس میں موجود خامیوں کو دور کرے۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک مضبوط مانیٹرنگ سسٹم قائم کیا جائے جو ہر مرحلے پر نگرانی کرے۔ کسٹمز، ایف بی آر اور دیگر متعلقہ اداروں کے درمیان بہتر رابطہ اور ڈیٹا شیئرنگ کو یقینی بنایا جائے تاکہ کسی بھی قسم کی بے ضابطگی کو فوری طور پر روکا جا سکے۔

اس کے علاوہ، خلاف ورزی کرنے والوں کے خلاف سخت کارروائی بھی ضروری ہے تاکہ دوسروں کے لیے مثال قائم ہو۔ جب تک قانون کی خلاف ورزی پر سخت سزا نہیں دی جائے گی، اس طرح کے مسائل کا مکمل خاتمہ ممکن نہیں۔

یہ بھی ضروری ہے کہ برآمد کنندگان اور درآمد کنندگان کے لیے واضح اور آسان قوانین بنائے جائیں تاکہ وہ کسی ابہام کا شکار نہ ہوں۔ پیچیدہ قوانین اکثر بدعنوانی کو جنم دیتے ہیں، اس لیے سادہ اور شفاف نظام وقت کی ضرورت ہے۔

آخر میں یہ کہنا بجا ہوگا کہ ای ایف ایس اسکیم اپنی اصل روح میں ایک مثبت اور مفید اقدام ہے، مگر اس کا غلط استعمال اسے معیشت کے لیے نقصان دہ بنا رہا ہے۔ اگر بروقت اور مؤثر اقدامات نہ کیے گئے تو یہ اسکیم واقعی ایک ''ٹیکس فری بیک ڈور چینل'' بن سکتی ہے، جیسا کہ ماہرین نے خبردار کیا ہے۔

پاکستان کو اس وقت ایک مضبوط، شفاف اور منصفانہ معاشی نظام کی ضرورت ہے جہاں ہر کاروبار کو برابر مواقع میسر ہوں اور قومی وسائل کا درست استعمال ہو۔ ای ایف ایس اسکیم میں اصلاحات اس سمت میں ایک اہم قدم ثابت ہو سکتی ہیں، بشرطیکہ حکومت سنجیدگی اور عزم کے ساتھ اس مسئلے کو حل کرے۔

کراچی، جوئے کے اڈے سے برآمد ہونے والی رقم میں خورد برد، ڈی آئی جی ساؤتھ کا ایکشن

شہر قائد میں ڈی آئی جی ساؤتھ زون اسد رضا نے ماڑی پور میں جوئے کے اڈے پر چھاپے کے دوران لاکھوں روپے کی خورد برد کا انکشاف سامنے آنے پر ایکشن لیتے ہوئے ایس ایس پی ڈسٹرکٹ سٹی سید علی حسن کو انکوائری افسر مقرر کر کے 5 روز میں رپورٹ طلب کر لی۔ واقعے کی تحقیقات کے حوالے سے پولیس ذرائع نے بتایا کہ ماڑی پور پولیس پارٹی نے ٹرک بیچ پر قائم ہٹ پر چھاپہ مارا تھا جو کہ زبیدہ عرف ادیبہ کی سربراہی میں کھیلا جا رہا تھا۔ ماڑی پور پولیس نے 12 اپریل 2026 کو واقعے کا مقدمہ نمبر 134 بجرم دفعہ 5/5-A قمار بازی ایکٹ کے تحت درج کیا تھا، ایس ایچ او ماڑی پور کی جانب سے جمع کرائی گئی۔ رپورٹ میں بتایا گیا کہ پولیس نے مجموعی طور پر 40 ملزمان کو گرفتار کیا اور ان کے قبضے سے 2 لاکھ 55 ہزار 500 روپے برآمد کیے۔ پولیس ذرائع کے مطابق معتبر ذرائع سے ملنے والی اطلاعات کے مطابق چھاپے کے دوران تقریبا 48 لاکھ 79 ہزار روپے برآمد کی گئی تھی جو کہ مقدمہ میں ظاہر کی گئی رقم سے بالکل مختلف بڑی رقم ہے۔ متعلقہ حکام کی جانب سے سنگین تضاد اور بنیادی طور پر بدانتظامی اور غفلت کی نشاندہی کرتا ہے جبکہ گرفتاری کے دوران ملزمان سے کچھ اہم برآمدگی ہوئی تھیں جس میں جاوید نامی شخص سے ایک موبائل فون، گھڑی اور ایک لاکھ 80 ہزار روپے نقدی، عادل عارف سے موبائل فون، ایک بیگ جس میں 30 لاکھ 77 ہزار روپے نقد، 21 تولہ سونا، لائسنس یافتہ نائن ایم ایم پستول پرس جس میں 28 ہزار روپے بھی تھے۔ محمد اقبال سے چابی، موبائل فون اور پرس سے ملنے والے 25 سے 30 ہزار روپے، محمد طاہر سے چابی، پرس اور 49 ہزار روپے، کامران یوسف سے گھڑی، موبائل فون اور پرس سے 26 ہزار 500 روپے، ثاقب سے گھڑی، بریسلیٹ، چابی اور پرس جس میں ایک لاکھ روپے، ایاز احمد موبائل فون اور 22 سے 23 ہزار روپے، حمزہ سے موبائل فون اور 73 ہزار روپے جبکہ عرفان سے موبائل فون، گھڑی اور 80 ہزار روپے ملے تھے۔ پولیس ذرائع کے مطابق اس تمام صورتحال کو مدنظر رکھتے ہوئے سفارش کی جاتی ہے کہ اس خورد برد میں جو بھی ملوث پایا جائے اس کے خلاف سخت قانونی کارروائی عمل میں لائی جائے۔ ذرائع نے بتایا ایس ایچ او ماڑی پور اسلم خان کے ہمراہ سادہ لباس کاشف نامی شخص بھی موجود تھا جو کہ پولیس اہلکار بھی بتایا جاتا ہے اور وہ مبینہ طور پر جواریوں سے ملنے والی رقم تھیلوں میں بھر کر اپنے ہمراہ لے گیا تھا۔

پاکستان میڈیکل ایسوی ایشن نے سندھ میں بچوں میں ایچ آئی وی کے کیسز میں خطرناک اضافے پر شدید تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ 2026 کی پہلی سہ ماہی میں 329 بچوں کے ایچ آئی وی پازیٹو آنے کے بعد صورتحال ایک تاریخی عوامی صحت کے بحران کی شکل اختیار کر چکی ہے، جو ادارہ جاتی غفلت اور ریگولیٹری نظام کی

پی ایم اے کا بچوں میں ایچ آئی وی کے کیسز میں خطرناک اضافے پر شدید تشویش کا اظہار

مکمل ناکامی کا نتیجہ ہے۔ پی ایم اے نے خبردار کیا ہے کہ 329 بچوں کا یہ عدد محض برفانی تودے کی نوک ہے۔ صوبے بھر میں بڑے پیمانے پر اسکریننگ سہولیات کی کمی کے باعث اصل تعداد اس سے چار گنا زیادہ ہو سکتی ہے۔ فوری اور جامع اسکریننگ کے بغیر ہزاروں بچے لاعلمی میں اس مرض کے ساتھ زندگی گزارنے پر مجبور ہیں اور انہیں بروقت علاج میسر نہیں۔ پی ایم اے نے ایک اہم حقیقت کی نشاندہی کی ہے کہ بچے نہ تو کسی خطرناک طرز عمل میں ملوث ہوتے ہیں اور نہ ہی ایسے عوامل کا شکار ہوتے ہیں جو بڑوں میں ایچ آئی وی کا سبب بنتے ہیں۔ بچوں میں یہ مرض صرف دو بنیادی ذرائع سے منتقل ہوتا ہے، ماں سے بچے کو منتقلی یا آلودہ طبی آلات اور غیر محفوظ طبی طریقہ کار ہے۔ تشویشناک طور پر تحقیقات سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ بیشتر کیسز میں مائیں ایچ آئی وی نیگیٹو جبکہ بچے پازیٹو ہیں، جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اس وبا کی بنیادی وجہ طبی غفلت ہے خاص طور پر غیر مستند معالجوں (عطائیوں) کی جانب سے استعمال شدہ سرنجز اور آلودہ آلات کا دوبارہ استعمال۔ پی ایم اے کے مطابق یہ انتہائی افسوسناک اور ناقابل قبول ہے کہ محکمہ صحت سندھ اس سنگین صورتحال میں بھی غفلت کا شکار ہے۔ اسی طرح سندھ ہیلتھ کیئر کمیشن جو مریضوں کے تحفظ کی ذمہ دار ہے، عملاً غیر فعال ہو چکی ہے: کمیشن اس وقت بورڈ آف کمشنرز کے بغیر کام کر رہا ہے۔ عطائیت کے خلاف کارروائیاں معطل ہیں کیونکہ ان کے لیے بورڈ کی منظوری درکار ہوتی ہے، جو موجود ہی نہیں۔ جب گورننگ بورڈ ہی موجود نہ ہو تو کمیشن اپنا کردار کیسے ادا کر سکتا ہے؟ حکومت کی انتظامی تاخیر کی قیمت معصوم بچے اپنی جانوں سے ادا کر رہے ہیں۔ یہ اب صرف صحت کا مسئلہ نہیں بلکہ ایک اخلاقی بحران بن چکا ہے۔

صوبائی وزیر بلدیات ذیشان رفیق نے کہا ہے کہ ستھرا پنجاب کا کنٹرول ڈویژن سے ضلع کو منتقل کر دیا گیا ہے، مریم نواز حکومت کی دو سالہ کارکردگی میں ستھرا پنجاب سرفہرست رہا، غیر جانبدار ادارے انسٹی ٹیوٹ آف پبلک اوپینین اینڈ ریسرچ IPOR کے سروے میں عوام نے ستھرا پنجاب کو سب سے اچھی ریٹنگ دی۔ وہ ستھرا پنجاب اتھارٹی آفس میں اضلاع میں تعینات ہونے والے ستھرا پنجاب

مریم نواز حکومت کی دو سالہ کارکردگی میں ستھرا پنجاب سرفہرست رہا، ذیشان رفیق

ایجنسیز کے مینجنگ ڈائریکٹرز کے بذریعہ ویڈیو لنک اجلاس میں اظہار خیال کر رہے تھے۔ سیکرٹری لوکل گورنمنٹ شکیل احمد میاں، اسپیشل سیکرٹری شاہد زمان، وزیر اعلی کے فوکل پرسن برائے ستھرا پنجاب عاصم محمود اور ڈی جی ستھرا پنجاب بابر صاحب دین بھی موجود تھے۔ صوبائی وزیر بلدیات ذیشان رفیق نے اضلاع میں نو تعینات شدہ ایم ڈیز کو ذمہ داریاں سنبھالنے پر مبارکباد دیتے ہوئے کہا کہ آئی پور IPOR کے سروے میں عوام کا اعتماد ستھرا پنجاب کی پوری ٹیم کے لئے بہت بڑا اعزاز ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ستھرا پنجاب وزیر اعلی مریم نواز کے دل کے قریب پروگرام ہے۔ سروے میں ستھرا پنجاب کو ٹاپ ریٹنگ ملنے پر اجلاس کے شرکا نے تالیاں بجا کر مسرت کا اظہار کیا۔ ذیشان رفیق نے کہا کہ ستھرا پنجاب کا نیٹ ورک ہر جگہ موجود ہے۔ گزشتہ سال سیلاب کے دوران یہی نیٹ ورک جگہ جگہ انتظامیہ کا ہیلپنگ ہینڈ بنا۔ خدانخواستہ کسی بھی قدرتی آفات میں ہمارے ورکرز آئندہ بھی حکومت کے دست و بازو بنیں گے۔ انہوں نے کہا کہ وزیر اعلی مریم نواز نے ستھرا پنجاب پروگرام کے ذریعے دو لاکھ افراد کو بلاواسطہ روزگار دیا جبکہ لاکھوں دیگر خاندانوں کو بالواسطہ طور پر فائدہ پہنچ رہا ہے۔ وزیر بلدیات نے کہا کہ دنیا میں ستھرا پنجاب کو صفائی کا کامیاب ماڈل سمجھا جا رہا ہے۔ ستھرا پنجاب سے عوام کی بڑھتی توقعات پورا کرنا ہمارا فرض ہے۔ ضلعی سطح پر مانیٹرنگ کے ساتھ ہم اپنی کارکردگی مزید بہتر بنائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ بڑے شہروں کے مصروف کمرشل علاقوں میں رات کے وقت تیسری شفٹ بھی شروع ہو گئی ہے۔ دیہات میں بھی اس پروگرام کا انفراسٹرکچر مضبوط بنایا گیا ہے۔ اجلاس میں ہر ضلع میں اینٹی لٹرنگ سکواڈز تشکیل دینے کا فیصلہ کیا گیا جو گندگی پھیلانے پر ضروری اقدامات کریں گے۔ وزیر بلدیات نے زور دیا کہ گندگی پھیلانے پر جرمانے کا مقصد صرف معاشرے کی اصلاح ہونا چاہیے۔ ستھرا پنجاب اتھارٹی ایکٹ کے تحت متعلقہ حکام کے پاس جرمانوں کا اختیار موجود ہے۔ اس موقع پر سیکرٹری لوکل گورنمنٹ شکیل احمد میاں نے کہا کہ اتھارٹی ماڈل کے تحت ٹرانزیشن کا عمل تکمیل کے قریب ہے۔

ماحولیاتی قوانین پر سخت کریک ڈاؤن، سینکڑوں بھٹہ خشت مسمار اور صنعتی یونٹس سیل

90 دن میں 24 ہزار سے زائد انسپکشنز، بھاری جرمانے عائد، پلاسٹک دھواں چھوڑنے والی گاڑیوں، فیکٹریوں کیخلاف کارروائیاں تیز

ڈائریکٹر جنرل ماحولیات ڈاکٹر عمران حامد شیخ نے کہا ہے کہ ماحولیاتی قوانین پر سخت عملدرآمد کیا جا رہا ہے جس کے تحت ادارہ تحفظ ماحول پنجاب نے 90 دن میں اینٹوں کے 24 ہزار 883 کی انسپکشن کے دوران 463 مسمار، 191 سیل اور 323 ایف آئی آرز درج کروا دیں۔ ڈی جی ماحولیات ڈاکٹر عمران حامد شیخ نے بتایا کہ صنعتی آلودگی کے خلاف 834 فیکٹریوں کی انسپکشن، 327 یونٹس سیل کیے گئے، انڈسٹریل یونٹس پر جرمانے، کروڑ 60 لاکھ روپے سے زائد جرمانہ عائد کیا گیا، پلاسٹک 78 ہزار کلو سے زائد پلاسٹک ضبط، 20 لاکھ جرمانے کیے گئے۔ پلاسٹک خلاف کارروائی، 178 نوٹسز جاری، متعدد کروائے گئے، سروس اسٹیشنز پر 117 نوٹسز، واٹر ری سائیکلرز کی 57 تنصیبات، گاڑیوں کے دھوئیں کارروائی، 3 ہزار 268 گاڑیوں کی ٹیسٹنگ، خلاف ورزی پر چالان کیے گئے۔ سائٹس کی نگرانی جاری، 104 سائٹس کا معائنہ جاری ہے۔ انہوں نے بتایا کہ جدید سپر نکلر سسٹم کی تنصیب، 27 نئی مشینیں لگائی گئیں، سکشن تنصیب میں پیشرفت، 165 یونٹس میں نظام فعال ہیں، ریت سے بھرے ٹرالوں کے خلاف ایکشن، 1,318 انسپکشنز، خلاف ورزی پر گاڑیاں واپس بھجوائی گئیں۔

ایکشن، 14 ہزار 2026 میں 6 کے خلاف مہم تیز، روپے سے زائد ورزیوں پر مقدمات درج چیکنگ، مزید کے خلاف ایمیشن جبکہ تعمیراتی 47 نوٹسز ہڈز کی

بلوچستان کی طویل ساحلی پٹی وسطی ایشیا، جنوبی ایشیا اور مشرق وسطیٰ کو ملانے والا سہ فریقی اقتصادی مرکز بن سکتی ہے، گورنر جعفر خان مندوخیل

گورنر بلوچستان جعفر خان مندوخیل نے کہا کہ بلوچستان کی طویل ساحلی پٹی وسطی ایشیا، جنوبی ایشیا اور مشرق وسطیٰ کو ملانے والا سہ فریقی اقتصادی مرکز بن سکتی ہے۔ پاکستان بلیو اکانومی کے اعتبار سے پورے خطے کی قیادت کرنے کی بےمثال صلاحیت رکھتا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ ان اقتصادی اور تجارتی مواقعوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پاک نیوی اور پبلک سیکٹر یونیورسٹی اب مشترکہ طور پر جدید ریسرچ پر مبنی ایک جامع حکمت عملی تیار کریگی جو تمام سمندری وسائل کو بروئے کار لانے میں ہمیں مدد اور رہنمائی کریگی۔ بلیو اکانومی کی ترقی سے ہم بیروزگاری اور غربت پر باآسانی قابو پا سکتے ہیں۔

ان خیالات کا اظہار انہوں نے پاکستان نیوی وار کالج لاہور کے زیر تربیت آفیسرز سے کوئٹہ کے مطالعاتی دورے کے موقع پر گفتگو کرتے ہوئے کیا۔ اس موقع پر کمانڈنٹ پاکستان نیوی وار کالج لاہور ریئر ایڈمرل سہیل احمد عزمی اور معتدد ممالک کے زیر تربیت آفیسرز بھی موجود تھے۔ انٹرایکشن کے دوران زیر تربیت آفیسرز نے مختلف سوالات کیے جن کا گورنر بلوچستان نے تفصیل سے جواب دیئے۔ اس موقع پر گورنر جعفر خان مندوخیل نے کہا کہ پاکستان اس پورے خطے میں امن اور ہم آہنگی کے ستون کے طور پر کھڑا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ دنیا میں ہر جگہ پائیدار امن کی اشد ضرورت ہے۔ مزید برآں، تباہ کن 40 روزہ حالیہ جنگ کے بعد، پاکستان کی دانشمندانہ اور کامیاب ڈپلومیسی نے وہ کامیابی حاصل کی جسے بہت سے لوگ ناممکن سمجھتے تھے۔ نصف صدی میں پہلی بار امریکہ اور ایران کو براہ راست مذاکرات کیلئے ایک میز پر لایا۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ الفاظ جب دانشمندی اور ڈپلومیسی سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں تو مہلک ہتھیاروں اور کشیدگی پر باآسانی قابو پا سکتے ہیں۔ گورنر بلوچستان نے کہا کہ اپنے نوجوانوں مختلف معاشی سرگرمیوں اور روزگار کے مواقعوں کے ذریعے اپنے نوجوانوں کو قومی دھارے میں لانے اور ان کی پوشیدہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے کیلئے اقدامات اٹھا رہے ہیں۔ گورنر مندوخیل نے کہا کہ مجھے امید ہے کہ یہ پاکستان نیوی وار کالج کے زیر تربیت آفیسرز کا مطالعاتی دورہ آپ کی یادداشت کا ایک یادگار حصہ بن جائیگا۔ یہ یاد رکھیں کہ آپ کوئٹہ میں مہمان بن کر آئے ہیں لیکن آپ اچھے دوست بن کر چلے جائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ بلوچستان رقبے کے لحاظ سے پاکستان کا سب سے بڑا صوبہ ہے اور اس کا جغرافیہ اسے پورے خطے کا گیٹ وے بناتا ہے۔ پاکستان کا معاشی مستقبل بلوچستان سے جڑا ہوا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہماری آبادی قلیل ہے لیکن دور دراز علاقوں میں پھیلی ہوئی ہے جس کی وجہ سے عوام کو تمام بنیادی سہولیات ان کی دہلیز پر فراہم کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ گورنر صاحب نے نیک تمناؤں کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ کوئٹہ میں آپ کا قیام محفوظ اور خوشگوار ہو۔ آخر میں مہمانان گرامی کے درمیان یادگاری شیلڈز کا تبادلہ ہوا۔

خیبر پختونخوا میں ملک کا پہلا پبلک سیکٹر ورچوئل اسکول قائم، اے آئی ٹیچر متعارف

46 سرکاری سکول آن لائن تعلیم پر منتقل، مزید 175 سکولوں کو ورچوئل سکولوں میں تبدیل کیا جائے گا

ورچوئل سکولوں کا قیام اور مصنوعی ذہانت پر مبنی تدریسی نظام کا نفاذ وقت کی ضرورت ہے، وزیر اعلیٰ سہیل آفریدی

وزیر اعلیٰ خیبر پختونخوا محمد سہیل آفریدی کی زیر صدارت محکمہ ابتدائی و ثانوی تعلیم کا ایک اہم اجلاس منعقد ہوا جس میں صوبے میں جدید تعلیمی اصلاحات، ورچوئل اسکولز کے قیام اور مصنوعی ذہانت پر مبنی تدریسی نظام کے نفاذ سے متعلق امور کا تفصیلی جائزہ لیا گیا۔ اجلاس کے دوران حکومت کی جانب سے ایک انقلابی اقدام کے طور پر پبلک سیکٹر میں پاکستان کے پہلے ورچوئل اسکول کے قیام اور اے آئی ٹیچر کے اجراء پر بریفنگ دی گئی، جبکہ وزیر اعلیٰ نے اے آئی ایجوکیشن اتھارٹی کے قیام کی اصولی منظوری دیتے ہوئے متعلقہ حکام کو ہوم ورک مکمل کرنے کی ہدایت جاری کی۔ وزیر اعلیٰ محمد سہیل آفریدی نے ہدایت کی کہ ورچوئل اسکولز کے ذریعے تعلیم حاصل کرنے والے بیرون ملک مقیم اور آؤٹ آف اسکول طلبہ کو بھی ریگولر طلبہ کا درجہ دیا جائے تاکہ تعلیم کے مواقع کو زیادہ سے زیادہ وسعت دی جا سکے۔ انہوں نے اس موقع پر کہا کہ صوبے میں ورچوئل اسکولز اور اے آئی ٹیچر کا آغاز وقت کی اہم ضرورت ہے اور یہ اقدام بالخصوص دور دراز علاقوں کے طلبہ کے لیے گیم چینجر ثابت ہوگا۔ ان کا کہنا تھا کہ مصنوعی ذہانت پر مبنی ٹیکنالوجی طلبہ کو انفرادی سطح پر سیکھنے کے نئے مواقع فراہم کرے گی جبکہ اے آئی بیسڈ نظام اساتذہ کا بوجھ کم کر کے تدریسی معیار کو مزید بہتر بنائے گا۔ وزیر اعلیٰ نے محکمہ ابتدائی و ثانوی تعلیم اور ایلیمنٹری اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن فاؤنڈیشن کے جدید تقاضوں سے ہم آہنگ اقدامات کو قابل ستائش قرار دیا۔ اجلاس کو بریفنگ میں بتایا گیا کہ پائلٹ بنیادوں پر صوبے کے 46 سرکاری اسکولوں کو آن لائن نظام تعلیم پر منتقل کیا جا چکا ہے جن میں بندوبستی اضلاع کے 33 اور ضم اضلاع کے 13 اسکول شامل ہیں۔ مزید آگاہ کیا گیا کہ ورچوئل اسکولز کے دائرہ کار کو بڑھانے کے لیے جون میں سالانہ ترقیاتی پروگرام کے تحت اسکیم کا باقاعدہ اجراء کیا جائے گا، جبکہ اگلے مرحلے میں مزید 175 اسکولوں کو ورچوئل اسکولز میں تبدیل کیا جائے گا۔ بریفنگ کے مطابق منصوبے کے تحت ایک مرکزی ڈیجیٹل تدریسی اسٹوڈیو قائم کیا گیا ہے جہاں سے لائیو انٹرایکٹو کلاسز اور لیکچرز کی ریکارڈنگ کی سہولت دستیاب ہے۔ اجلاس کو بتایا گیا کہ اے آئی ٹیچر کے ذریعے انگریزی، ریاضی، طبیعیات، کیمیا اور حیاتیات جیسے مضامین پڑھائے جا رہے ہیں، جبکہ یہ نظام اردو، انگریزی اور پشتو زبانوں میں چوبیس گھنٹے دستیاب ہوگا۔ مزید بتایا گیا کہ اس منصوبے کی مجموعی منظور شدہ لاگت 153.80 ملین روپے ہے، جبکہ ٹیلی تعلیم مرکز کے قیام پر 44.850 ملین روپے خرچ کیے جائیں گے۔ اجلاس کے اختتام پر وزیر اعلیٰ نے متعلقہ حکام کو ہدایت کی کہ منصوبے پر عملدرآمد کی رفتار کو مزید تیز کیا جائے تاکہ صوبے کے طلبہ کو جدید اور معیاری تعلیمی سہولیات کی بروقت فراہمی یقینی بنائی جا سکے۔ چیف سیکرٹری شہاب علی شاہ، پرنسپل سیکرٹری برائے وزیر اعلیٰ عامر سلطان ترین، سیکرٹری ابتدائی و ثانوی تعلیم محمد خالد اور دیگر اعلیٰ حکام نے اجلاس میں شرکت کی۔

اردو شاعری میں انگریزی الفاظ کا استعمال

”ادب دوست تنظیم“ کے زیرِ اہتمام آرٹس کونسل آف پاکستان، کراچی ڈسٹرکٹ سینٹرل کے ”کیفے گل رنگ ٹو“ میں ادیبوں کی بیٹھک

رپورٹ بشیر سدوزئی

سچ تو یہ ہے کہ ہم ماہرِ لسانیات (Linguistics) نہیں کہ انسانی زبان کی بنیاد، ساخت، ماہیت، ارتقاء اور سماجی پہلوؤں کا منظم احاطہ کر سکیں، البتہ اتنی سوجھ بوجھ ضرور ہے کہ کوئی بھی زبان، جو افادہ و ابلاغ کے مراحل میں زندہ ہو، مسلسل ترقی کا سفر کرتی رہتی ہے۔ جو زبان ترقی کے سفر میں ہو، وہ کبھی جامد نہیں رہتی۔ دریا کی مانند بہتی ہے، رواں رہتی ہے اور اپنے راستے میں آنے والی زمینوں، تہذیبوں اور ثقافتوں سے رنگ اخذ کرتی ہوئی دوسری زبانوں کے ایسے الفاظ کو، جو اسے اپنی ہیئت کے قریب لگیں، گود لیتی چلتی ہے۔

اردو بھی ہمیشہ اسی فطری ارتقاء سے گزری ہے۔ آج کی اردو شاعری میں انگریزی الفاظ کا استعمال اسی تبدیلی کی ایک واضح علامت ہے، جسے روکنا یا اس کے متبادل خالص اردو الفاظ تلاش کرنا آسان نہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ وسعت

حوالوں سے اس موقف کو تقویت دی اور اس بات پر زور دیا کہ اردو شاعری میں انگریزی الفاظ کا استعمال مناسب نہیں۔

ڈاکٹر سکندر مطرب کی رائے تھی کہ اردو زبان

مرثیہ، غزل یا سنجیدہ شاعری میں اس کا استعمال بدعت ہی سمجھا جائے گا، جیسا کہ مولوی عبدالحق نے کہا تھا۔

اب اثرات مغرب سے آ رہے ہیں۔

جدید اردو شاعری، خاص طور پر شہری اور ڈیجیٹل ماحول میں، ایک نئی لسانی حقیقت کو جنم دے رہی ہے۔ سوشل میڈیا کے شاعر، جو نوجوان نسل کے نمائندے بنتے جا رہے ہیں، اپنی روزمرہ

رجحان اردو کی لطافت اور اس کی تہذیبی گہرائی کو متاثر کر رہا ہے؟

ناقدین کا ایک حلقہ سمجھتا ہے کہ انگریزی الفاظ کا بے جا استعمال اردو شاعری کی جمالیات کو نقصان پہنچا رہا ہے۔ ان کے مطابق، جب ”دل شکستہ“ کی جگہ broken heart اور ”تنہائی“ کی جگہ "loneliness" لے لے تو زبان کا اپنا آہنگ اور تہذیبی پس منظر مدھم پڑ جاتا ہے۔

دوسری جانب، کچھ اہلِ قلم اس تبدیلی کو مثبت ارتقاء قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک زبان کا بنیادی مقصد اظہار ہے، اور اگر انگریزی الفاظ کسی جذبے کو زیادہ براہِ راست اور موثر انداز میں پیش کرتے ہیں تو ان کا استعمال فطری ہے۔ یہ نقطۂ نظر زبان کو ایک زندہ اور متحرک وجود کے طور پر دیکھتا ہے، جو وقت کے ساتھ خود کو ڈھالتی رہتی ہے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ بعض جدید شعراء انگریزی اور اردو کے امتزاج سے ایک نئی شعری فضا تخلیق کر رہے ہیں۔ یہ "code-switching" نہ

دیگر زبانوں کے الفاظ کو اپنانے کی صلاحیت رکھتی ہے، لہٰذا شاعری میں انگریزی الفاظ کے

افروز رضوی اور خرم قمر نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا، جبکہ راقم نے ڈاکٹر سکندر مطرب کی رائے

زبان کو شاعری میں ڈھال رہے ہیں۔ اور روزمرہ بولی جانے والی زبان میں انگریزی کے الفاظ

اظہار ہے یا زبان کی شکست؟

"اردو شاعری میں انگریزی الفاظ کا استعمال" کے موضوع پر گفتگو کے لیے ”ادب دوست تنظیم“ کے زیرِ اہتمام آرٹس کونسل آف پاکستان، کراچی ڈسٹرکٹ سینٹرل کے ”کیفے گل رنگ ٹو“ میں ایک بیٹھک کا اہتمام کیا گیا، جس میں ڈاکٹر سکندر مطرب، خرم قمر، اسد ظفر، افروز رضوی، گل افشاں، ندیم اقبال، بینا کامران، کوثر رضوی، نفیس غوری، ڈاکٹر شبیر آرائیں اور دیگر نے شرکت کی۔

گل افشاں، جو ادب دوست تنظیم کی چیئر پرسن بھی ہیں، نے مکالمے کا آغاز کرتے ہوئے کہا کہ شاعر اپنی شاعری میں انگریزی الفاظ استعمال کرتے ہیں، حالاں کہ بابائے اردو مولوی عبدالحق کے نزدیک یہ ایک بدعت ہے۔ انہوں نے مختلف

استعمال کو معیوب قرار نہیں دیا جا سکتا، اور نہ ہی اس سے اردو کو کوئی خطرہ لاحق ہے۔ انہوں نے ماضی کے نامور شعرا کے اشعار پڑھ کر یہ ثابت کیا کہ اساتذہ نے بھی اپنے کلام میں دیگر زبانوں کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

معروف شاعر و ماہرِ تعلیم ندیم اقبال نے اس رائے سے اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ اردو شاعری میں انگریزی الفاظ کا استعمال زبان و بیان کے بگاڑ کا سبب بن سکتا ہے۔ اگر شاعری میں خالص اردو کو برقرار نہ رکھا گیا تو اس کی اصل روح متاثر ہو سکتی ہے۔

اسد ظفر نے بھی اس موقف کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ مزاحیہ شاعری میں انگریزی الفاظ کا استعمال کسی حد تک قابلِ قبول ہو سکتا ہے، لیکن

سے اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ جب ایک زبان مسلسل دوسری زبانوں سے الفاظ اخذ کر رہی ہو، تو شاعر کے لیے یہ طے کرنا آسان نہیں رہتا کہ کون سا لفظ ”خالص“ ہے اور کون سا مستعار۔

سچ تو یہ ہے کہ اردو شاعری کی روایت پر نظر ڈالیں تو ہمیں فارسی، عربی، ترکی اور مقامی بولیوں کا حسین امتزاج ملتا ہے۔ بلکہ امیر خسرو کے زمانے میں مقامی بولیوں کا اثر زیادہ نمایاں دکھائی دیتا ہے۔

میر، غالب اور اقبال نے جس اردو کو پروان چڑھایا، وہ خالص نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر زبان تھی۔ چناں چہ اگر آج کا شاعر ”محبت“ کے ساتھ "love" اور ”دل“ کے ساتھ "heart" کو باندھ رہا ہے تو یہ کوئی بالکل نیا تجربہ نہیں، فرق صرف یہ ہے کہ

بکثرت استعمال ہو رہے ہیں۔۔ اب شاعر کو یہ سوچنا ہے کہ اسے خود کو عوام میں مقبول شاعر ثابت کرنا ہے یا اصل اردو کے الفاظ کو استعمال کر کے اپنی کو غیر مقبول ہونے پر ہی مطمئن ہونا ہے۔

چناں چہ اشعار میں "miss you"، feeling nights، اور "broken heart" جیسے الفاظ عام ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ الفاظ نہ صرف جذبات کے اظہار کا حصہ بن رہے ہیں بلکہ ایک ایسے طبقے کی نمائندگی بھی کر رہے ہیں جو دو یا زیادہ زبانوں کے درمیان زندگی بسر کرتا ہے۔ ان کی اکثریت مغرب کی طرف کوچ کر گئی لیکن اپنی زبان و تہذیب کے ساتھ جڑنے کی خواہش مند بھی ہے

لیکن یہاں ایک فکری سوال جنم لیتا ہے، کیا یہ

صرف ایک لسانی تجربہ ہے بلکہ ایک تہذیبی بیانیہ بھی ہے، ایسا بیانیہ جو شناخت، ہجرت اور جدیدیت کے سوالات سے جڑا ہوا ہے۔

آخر میں سوال وہی رہ جاتا ہے: کیا اردو شاعری میں انگریزی الفاظ کا استعمال ایک ناگزیر تبدیلی ہے یا ایک عارضی فیشن؟

شاید اس کا جواب وقت ہی دے گا۔ لیکن فی الحال اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اردو اپنی فطرت کے مطابق بدل رہی ہے، اور یہ بدلاؤ، چاہے پسند آئے یا نہ آئے، اس کی زندگی کی علامت ہے، موت کی نہیں۔ کیونکہ جو زبانیں بدلتی نہیں، وہ باقی بھی نہیں رہتیں۔

باقی اس پر اصل گفتگو تو ماہرِ لسانیات ہی کر سکتے ہیں اور انہی کی رائے حتمی ہوگی۔

Over 210K+ Followers on social media now shining in print too

"منظر پس منظر"
صبیحہ خان صبیحہ (کینیڈا)

سیانے کہتے ہیں کہ کھانا حیات کو برقرار رکھنے کے لئے کھایا جاتا ہے، کم کھاؤ اور زیادہ جیو مگر بہت لوگوں کا خیال ہے کہ جان ہے تو جہان ہے۔ دیکھا

خوش لباسی کی طرح خوش خوراکی نے بھی فیشن کی شکل اختیار کرلی ہے

جائے تو خوش لباسی کی طرح خوش خوراکی نے بھی فیشن کی شکل اختیار کر لی ہے، جہاں ملک میں مہنگائی اور دیگر مسائل کی بھرمار ہے وہیں مختلف پکوانوں کی یلغار نے لوگوں کو بسیار خوری پر مجبور کر دیا ہے، ہوٹلز، فوڈ کورٹس، باربی کیو نائٹ، غیر ملکی کھانوں کی مقبولیت نے لوگوں کو کریزی بنا دیا ہے ہزاروں روپوں کا کھانا منٹوں میں چٹ کر جاتے ہیں، شادیوں اور دیگر تقریبات میں کھانوں کی ڈھیروں مختلف اقسام دیکھ کر کہیں سے بھی اندازہ نہیں ہوتا کہ ہم ترقی پذیر ملک کے باشندے ہیں۔ بلکہ لگتا ہے کہ بحیثیت مجموعی ہم ایک پیٹو قوم ہیں جن کی سوچ کھانے سے شروع ہوتی ہے اور کھانے پر ختم، "ہوٹلوں، شادی ہالز اور سیاسی جلسوں میں ایسے ہی دیگر مقامات پر "کھانے کے دشمن" بکثرت پائے جاتے ہیں، کھانا انسان کی کمزوری مانا جاتا ہے، اور یہ سچ ہے کہ انسان دنیا میں زیادہ تر جدوجہد کھانے کے لئے کرتا ہے، ایک طرف لوگ مہنگائی کا رونا روتے ہیں اور دوسری طرف شادیوں اور دیگر تقریبات میں کھانوں کی بے تحاشہ اقسام مہنگائی کا منہ چڑا رہی ہوتی ہیں، ایک زمانہ تھا کہ زیادہ تر لوگ گھر کے پکے غذائیت سے بھرپور اور متوازن کھانوں کو بہت اہمیت دیتے تھے بلکہ ایسے افراد کو رحم بھری نظر سے دیکھتے تھے جو اپنی فیملی سے دور ہونے کے سبب ہوٹلوں میں کھانا کھانے پر مجبور ہوتے تھے، مگر اب لوگ گھر کے کھانوں سے زیادہ ہوٹلنگ کرنا پسند کرتے ہیں ملک میں مہنگائی اس رفتار سے بڑھ رہی ہے کہ عام آدمی کی سانس بھی قسطوں پر چلتی محسوس ہوتی ہے۔ آٹا، چینی، بجلی، گیس ہر چیز کی قیمت آسمان سے باتیں کررہی ہے۔ ہر گفتگو کا آغاز اور اختتام مہنگائی کے شکوے سے ہوتا ہے۔ مگر اسی ملک میں جب شام ڈھلتی ہے تو ریسٹورنٹس، ہوٹلز اور فوڈ کورٹس کا منظر کچھ اور ہی کہانی سناتا ہے رش ایسا کہ جیسے آج "کھانا مفت" کا عالمی دن منایا جا رہا ہو۔ یہ تضاد محض اتفاق نہیں، ہمارے بدلتے ہوئے سماجی رویوں کا آئینہ ہے کبھی کھانا ضرورت تھا، اب مشغلہ ہے کبھی دسترخوان گھر کی پہچان ہوتا تھا اب لوکیشن اہم ہوگئی ہے آج کا نوجوان یہ کم پوچھتا ہے کہ کھانے میں کیا ہے، زیادہ یہ جاننا چاہتا ہے کہ کھانا کہاں سے آیا ہے۔ ذائقہ ثانوی ہو چکا ہے، برانڈ اور ماحول بنیادی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ سوشل میڈیا نے اس رجحان کو مزید ہوا دی ہے۔ اب کھانا کھانے سے پہلے کیمرہ "کھاتا" ہے۔ ہر پلیٹ ایک پوسٹ ہے، ہر نوالہ ایک اسٹوری گویا ہم اپنے معدے سے زیادہ اپنے فالوورز کو سیر کرنے میں مصروف ہیں۔ ایک عام سی کافی بھی تب تک ادھوری ہے جب تک اس کے ساتھ ایک "پرفیکٹ تصویر" نہ لی جائے دلچسپ بات یہ ہے کہ مہنگائی کا رونا بھی وہی لوگ سب سے زیادہ روتے ہیں جو ہفتے میں کئی بار باہر کھانا کھانے کو اپنا حق سمجھتے ہیں گویا شکایت بھی برقرار اور شوق بھی زندہ یہ ایک ایسا معاشی اور نفسیاتی تضاد ہے جسے ہم نے معمول بنالیا ہے۔ یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ ہم ضرورت" اور" نمائش" کے درمیان فرق کھو چکے ہیں سادگی اب کمزوری لگتی ہے اور فضول خرچی کو ہم لائف اسٹائل" کا نام دے کر مطمئن ہو جاتے ہیں قرضے لے کر تقریبات کرنا، مہنگے کھانوں کی تصاویر سے اپنی حیثیت بڑھانا یہ سب اس بات کی علامت ہے کہ ہم حقیقت سے زیادہ تاثر کے اسیر ہو چکے ہیں۔ یقیناً مشکل حالات میں انسان خوشی تلاش کرتا ہے، اور کھانا ایک آسان خوشی ہے مگر جب یہی خوشی مقابلہ بن جائے تو پھر یہ بوجھ بن جاتی ہے۔

ہم وقتی لطف کے لیے مستقل مسائل کو دعوت دے رہے ہیں ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنی ترجیحات پر نظر ثانی کریں کھانا دکھاوے کے لیے نہیں، جینے کے لیے ہونا چاہیے سادہ دسترخوان میں جو سکون اور برکت ہے، وہ مہنگے ریسٹورنٹس کی چکاچوند میں کہاں؟ کھانے کے دشمن، اپنی صحت کے دشمن بن گئے ہیں دلچسپ بات یہ ہے

کہ بعض افراد اپنی غیر ضروری خوراک کی عادت سے خود اپنے دشمن بن چکے ہیں وہ ہر وقت کھانے کے بارے میں سوچتے ہیں، اور بھی دکھ ہیں زمانے میں کھانے کے سوا، نئے کھانے آزمانے کے شوق میں رہتے ہیں اور پھر مختلف بیماریوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس صورت حال نے ماہرینِ صحت کو بھی تشویش میں مبتلا کر دیا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اس جنون کی قیمت کیا ہے؟ فاسٹ فوڈ اور جنک فوڈ نے نوجوان نسل کی صحت چھین لی ہے۔ موٹاپا، شوگر، بلڈ پریشر اور دل کے امراض عام ہوگئے ہیں۔ ہم جسمانی توانائی سے زیادہ کیلوریز کے قیدی بن چکے ہیں ان افراد کی مرغوب غذائیں زیادہ تر مختلف دعوتوں میں ہی پائی جاتی ہیں جہاں یہ لوگ شرطیں باندھ کر کھاتے ہیں اور پھر کھانا پلیٹوں سے اس طرح غائب ہوتا ہے جیسے سرکاری اسپتالوں سے دوائیں اور سرکاری خزانے سے اس کا خزانہ!

اسپرل کے زیرِاہتمام رشین سینٹر میں انٹرنیشنل سیمینار

رپورٹ: ربیعہ علی فریدی

دنیا بھر میں 23 اپریل کا دن کتابوں اور کاپی رائٹ کے عالمی دن کے طور پر منایا جاتا ہے، پاکستان میں بھی اس دن کی مناسبت سے پروگرام منعقد ہوتے ہیں، سوسائٹی فار دی پروموشن آف ریڈنگ اینڈ امپروومنٹ آف لائبریریز (اسپرل) کے زیرِ اہتمام رشین سینٹر کراچی پاکستان کے تعاون سے ایک انٹرنیشنل سیمینار بعنوان 'خودی، نالج اور کتاب: اقبال اور کتابوں کا عالمی دن گزشتہ دنوں رشین ہاؤس کراچی میں منعقد ہوا، اس سیمینار کو اسپرل اور رشین ہاؤس نے 21 اپریل علامہ محمد اقبال رح کے فلسفے اور کتابوں کے عالمی دن کو ساتھ منایا۔ سیمینار کی مہمانِ خصوصی پروفیسر ڈاکٹر تنویر انجم تھیں مہمانِ اعزازی میں رشین سینٹر کے ڈائریکٹر مسٹر رسلان اور کراچی کی نمایاں شخصیت اخلاق احمد تھے، سیمینار میں ندیم ظفر صدیقی نے بھی شرکت کی۔ کراچی کے نمائندہ اداروں اور عابد اسٹیٹ بینک آف پاکستان، نزیجہ اسفرین جامعہ کراچی آ، سی سی پی ایس، ثنا رحیم بحریہ یونیورسٹی، جواہر علیم کیٹ یونیورسٹی، سیدہ عائشہ نقوی سندھ مدرسۃ الاسلام، ڈاکٹر خرم شفیع این ای ڈی یونیورسٹی نے شرکت کی۔ تقریب کی میزبانی اسپرل ٹیم جن میں صمیم کاردار، جواہر علیم اور ربیعہ علی فریدی نے کی، شرکاء گفتگو میں ڈاکٹر سعد بن عبد العزیز، ڈاکٹر آمنہ خاتون، ندیم ظفر صدیقی، فرحین بین الاقوامی مہمانوں کا شکریہ ادا کیا اپنی گفتگو میں ربیعہ نے کتابوں کے عالمی دن کی اہمیت پر روشنی ڈالی، ڈائریکٹر مسٹر رسلان پروخروف نے اپنی تقریر میں مہمانوں کو روسی ہاؤس میں خوش آمدید کہتے ہوئے کہا کے میں خوشی محسوس کر رہا ہوں اور ملاقات کے اس موقع پر آپ کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ہمارے لیے یہ بہت بڑے اعزاز کی بات ہے کہ ہم کراچی کی لائبریری برادری کے ہیں، اور کتابوں، تراجم اور مطالعے کے فروغ کے ذریعے ہم ایک دوسرے کو بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں اور ایک دوسرے سے سیکھ سکتے ہیں۔

آج کل اکثر یہ خدشہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ انٹرنیٹ اور ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کی ترقی نوجوانوں کو مطالعے سے دور کر دے گی۔ لیکن تجربہ اس کے برعکس ثابت کرتا ہے: معلومات اور ویڈیو مواد کی کثرت کے باوجود مطالعے میں دلچسپی ختم نہیں ہوئی۔ بلکہ کے روسی ہاؤس کو نوجوانوں کے لیے ایک مرکزِ کشش اور ایک ایسا "ہب" بنا سکیں گے جہاں وہ اپنی ذات کی تلاش میں ہوں۔

اخبار جہاں اور اسٹار مارکیٹنگ سے تعلق رکھنے والے مشہور رائٹر و جرنلسٹ اخلاق احمد نے اپنی تقریر میں لائبریری کے ارتقاء پر بات کی اور بتایا کے کیسے آنا لائبریری سے لائبریری کی ابتدا ہوئی، انہوں نے بتایا کے ایک وقت میں استاد کے علاوہ اضافی مدد لائبریرین سے ملتی تھی لوگ ٹیوشن جانے میں قباحت محسوس کرتے تھے کتراتے تھے، لائبریری صرف علم کا مرکز نہیں بلکہ ایک کمیونٹی حب تھا قومی ورثہ کی حفاظت صرف لائبریریز کرتی تھیں، لائبریریز ویران ہوئیں تو لائبریرین کی دلچسپی بھی ختم ہوگئی کے کا کے لیے کام کریں، آج ٹیکنالوجی کے آجانے سے لائبریری کلچر ختم نہیں ہو رہا ہے بلکہ اس سے بہت پہلے ہی یہ المیہ ہو چکا ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر تنویر انجم نے اپنے خطاب میں اقبال کے خودی کے فلسفے پر گفتگو کی، لائبریریز کے وجود کتب بینی پر سیر حاصل گفتگو کی اپنی شاعری شرکاء کو سنائی اور ماضی کے جھروکوں سے یادوں کا تذکرہ کیا ٹیم اسپرل کا شکریہ ادا کیا پروگرام کے اختتام پر صدر اسپرل اکرام الحق نے اپنا آن لائن خطاب کیا تمام سامعین کو شکریہ ادا کیا، کتب بینی پر گفتگو کی رشین سینٹر کے اقدام کو سراہا ڈائریکٹر رشین

جامعات کے لائبریرینز نے اس پروگرام میں بڑی تعداد میں شرکت کی (یہ مختصر اور مخصوص نشست کا سیمینار تھا جس میں 40 کے قریب سامعین کو شامل کیا گیا) جن میں ڈاکٹر آمنہ خاتون پاکستان لائبریری پروموشن بیورو سینئر لائبریرین، فرحین محمود گورنمنٹ کالج ناظم آباد، افشاں خان نیول لائبریری، نصرت جبیں آئی بی اے کراچی، شمع شہزاد سید ذوالفقار علی بھٹو لاء لائبریری، ادیبہ ناز حبیب یونیورسٹی، ثناء افشین سٹی اسکول، ام حبیبہ ڈاؤ یونیورسٹی کراچی، شہزاد ترین گورنمنٹ اسلامیہ کالج سے، اویس منور علی گورنمنٹ کالج، عامر سبحانی گورنمنٹ اسلامیہ کالج، علی احمد ورس گورنمنٹ کالج، صمیم کاردار این ای ڈی یونیورسٹی، سلمان محمود، عامر سبحانی، ثناء افشین، نزیجہ اسفرین اور دیگر شامل تھے، کم عمر عبداللہ خان نے اقبال کی شاعری نہایت خوبصورتی سے پڑھ کر سنائی، تلاوت قرآن کی سعادت صمیم کاردار نے حاصل کی، ربیعہ علی فریدی نے اسپرل کی ٹیم کی طرف سے رشین ہاؤس کراچی کا شکریہ ادا کیا اور تمام قومی و نمائندوں کی میزبانی کر رہے ہیں وہ لوگ جو روزانہ ثقافتی اور فکری ورثے کو محفوظ رکھتے اور آئندہ نسلوں تک منتقل کرتے ہیں۔

روس اور پاکستان کے درمیان ادبی تعاون کی گہری اور روشن بنیادیں موجود ہیں۔ ہمارے دونوں ممالک کے پاس ادب کی زرخیز روایات بہت سے نوجوان، تیز رفتار ڈیجیٹل مواد سے تھک کر، معنی، گہرائی اور اندرونی سکون کی تلاش میں دوبارہ کتابوں کی طرف لوٹ رہے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ آج لائبریرین کا کردار پہلے سے کہیں زیادہ اہم ہو گیا ہے۔ مجھے پوری امید ہے کہ ہم مل کر اور آپ کی فعال شرکت سے کراچی ہاؤس اور ان کی ٹیم کا شکریہ ادا کیا، سعد بن عبدالعزیز نے جو ولڈا ایکسپو کے چیف آرگنائزر ہونے کے ساتھ ساتھ تدریس کے شعبے سے بھی وابستہ ہیں مئی میں ہونے والے ایجوکیشن و ٹیکنالوجی فیئر پر بات کی اور مفید مشوروں سے ٹیم اسپرل کو نوازہ۔ پروگرام میں بین الاقوامی لائبریری ماہرین لویڈا گریشیا فیبو اور ڈاکٹر کونس چیشتا نے آن لائن خطاب کیا۔ ڈاکٹر آمنہ خاتون نے شرکاء میں لائبریری پروموشن بیورو کی جانب سے کتابیں تقسیم کیں۔ ٹیم اسپرل نے شیلڈز پیش کیں جب کے ڈاکٹر آمنہ خاتون نے شرکاء میں کتب تقسیم کیں، رشین ہاؤس کی نمائندہ فریحہ عاقب نے تمام سامعین کا شکریہ ادا کیا۔

Over 210K+ Followers on social media now shining in print too

تصویر کا دوسرا رخ

اے کہ دل تیرا ہے فکر بادہ ء گلفام میں
زہر بھی ہوتا ہے اکثر خوبصورت جام میں
ظفر احمد صدیقی

ہماری زندگی بھی تصویر ہی کی مانند ہے جو دکھائی دیتا ہے وہ مکمل نہیں ہوتا۔ جیسے تصویر میں ایڈیٹنگ ہوتی ہے فلٹر ہوتا ہے ہماری مصنوعی مسکراہٹ شامل ہوتی ہے جسے دیکھنے والا حقیقت سمجھتا ہے۔ جبکہ حقیقی شخص و منظر اس کے برعکس ہوتا ہے۔

ہم ایسے دور میں جی رہے ہیں جہاں ہر چیز خوبصورت فریم میں قید دکھائی دیتی ہے اگر سوشل میڈیا کی بات کی جائے تو سوشل میڈیا کی چمکتی اسکرینوں پر مسکراتے چہرے جگمگاتی روشنیاں اور کامیابیوں کی لمبی فہرستیں یہ سب مل کر ایک ایسی تصویر بناتے ہیں جو بظاہر تو مکمل اور دلکش لگتی ہے مگر سوال یہ ہے کہ کیا واقعی حقیقت بھی اتنی ہی روشن ہے اس تصویر کا کوئی دوسرا رخ بھی ہے؟

ہمارے معاشرے میں بھی یہی تضاد اور نمایاں ہے ایک طرف ترقی جدیدیت اور خوشحالی کے دعوے ہیں تو دوسری طرف مہنگائی بے روزگاری اور بنیادی سہولیات کی کمی جیسے مسائل ہیں

ہم بلند و بانگ دعوے تو سنتے ہیں مگر عام آدمی کی زندگی میں حقیقی تبدیلی کم ہی نظر آتی ہے

یہ وہ دوسرا رخ ہے جسے اکثر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

بالکل اسی طرح ہمارے رویوں میں بھی دہرا پن بڑھتا جا رہا ہے ہم بظاہر اخلاقیات اور اصولوں کی بات کرتے ہیں مگر عملی زندگی میں اکثر ان سے انحراف کرتے نظر آتے ہیں سچ بولنے کا درس دینے والے خود مصلحت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ انصاف کی بات کرنے والے ذاتی مفاد کو ترجیح دیتے ہیں۔

یوں معاشرہ ایک ایسی تصویر بن جاتا ہے جس کا ایک رخ خوبصورت اور دوسرا دھندلا اور پیچیدہ ہوتا ہے۔

زندگی کی روز مرہ ہنگامہ خیزی میں انسان جو کچھ دیکھتا سنتا اور سمجھتا ہے وہ اکثر مکمل حقیقت نہیں ہوتا بلکہ اس کا ایک دوسرا رخ بھی ہوتا ہے جو بظاہر نگاہوں سے اوجھل رہتا ہے۔

اشفاق احمد کہتے ہیں کہ

بانو قدسیہ ایک یونیورسٹی میں پڑھاتی تھیں۔ میں ہر روز انہیں گاڑی میں یونیورسٹی چھوڑنے جاتا۔ یونیورسٹی پہنچ کر میں گاڑی سے اتر کر دوسری طرف سے آتا اور دروازہ کھولتا میری (بیوی) بانو قدسیہ گاڑی سے اترتی

اور سہیلیوں کے ساتھ یونیورسٹی کے گیٹ کے اندر داخل ہو جاتی پھر چھٹی کے وقت دوبارہ بانو قدسیہ (بیوی) کو لینے جاتا اور اسے گاڑی میں بٹھا کر واپس گھر لے آتا۔

میری بیوی بانو قدسیہ کی سہیلیاں یہ منظر دیکھتیں اور رشک کرتیں اور کہتیں کہ ہمیں بھی ایسا شوہر ملے۔ ان کے درمیان کتنی محبت اور چاہت ہے۔

اشفاق احمد مزید کہتے ہیں کہ ہمارے درمیان کوئی ایسی محبت نہ تھی اصل میں گاڑی کا دروازہ خراب تھا جو کہ اندر سے نہیں کھلتا تھا اس لیے مجھے باہر نکل کر دروازہ کھولنا پڑتا تھا۔

بقول شاعر

ظاہری حالت پر کر نہ باطن کا قیاس
خوبیء تن پر دلالت کر نہیں سکتا لباس
ظفر احمد صدیقی

آج کا انسان دکھاوے کہ اس ہجوم میں اپنی اصل پہچان کھوتا جا رہا ہے ہم دوسروں کی زندگیوں کے چند خوشگوار لمحات دیکھ کر اپنے حالات کا موازنہ کرتے ہیں اور خود کو کمتر اور محروم محسوس کرنے لگتے ہیں۔

بیشتر گھروں میں دوسروں کی ظاہری نمود و نمائش یا رہن سہن دیکھ کر لوگ اپنا ہنستا بستا گھر اجاڑ دیتے ہیں۔ گھروں میں مسائل اور جھگڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ہر مسکراہٹ کے پیچھے ایک اداسی اور کہانی ہوتی ہے ہر کامیابی کے پیچھے کہیں ناکامیاں چھپی ہوتی ہیں اور ہر روشن چہرے کے پیچھے تھکن پریشانی اور جدوجہد کا ایک طویل سفر ہوتا ہے۔

لیکن ہم تصویر کا دوسرا رخ دیکھتے ہی نہیں ہیں۔

تصویر کا دوسرا رخ یہی ہے کہ ہر چمک کے پیچھے اندھیرا بھی ہوتا ہے۔ ہر قہقہے کے پیچھے کوئی خاموشی بھی چھپی ہوتی ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اس چمک کو حقیقت نہ سمجھیں۔ بلکہ حقیقت کے پیچھے بھی ایک حقیقت موجود ہوتی ہے۔ اگر ہم صرف دیکھنے پر اکتفا کریں گے تو ہم ادھورا سچ ہی سمجھیں گے مگر ہم سوچنے اور سمجھنے کی کوشش کریں گے تو حقیقت کے قریب پہنچ سکیں گے۔

تصویر کا دوسرا رخ دیکھنا محض ایک فکری مشق نہیں بلکہ ایک اخلاقی ذمہ داری ہے۔

تصویر کا دوسرا رخ دراصل شعور کی بیداری کا نام ہے یہ ہمیں سکھاتا ہے کہ دنیا کو یک رخی انداز میں نہ دیکھیں بلکہ ہر مظہر کے متعدد پہلوؤں کو سمجھنے کی کوشش کریں یہی رویہ نہ صرف علمی پختگی کو جنم دیتا ہے بلکہ سماجی ہم آہنگی اور فکری وسعت کا باعث بنتا ہے۔

اس موضوع پر لیکچرار فیصل عشرت صاحب سے گفتگو ہوئی انکے خیالات اب ہی کی زبانی جانتے ہیں

محمد فیصل عشرت
(لیکچرار گورنمنٹ کالج ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ، گورنمنٹ آف سندھ۔

میں آپ کو ایک سادہ سی مثال سے سمجھاتا ہوں

فرض کیجیے کہ ایک بھرا ہوا جہاز بادلوں کے درمیان پرواز کر رہا ہے۔ ایک مسافر کھڑکی سے باہر دیکھتا ہے تو اسے روئی کے گالوں جیسے سفید بادل اور ڈھلتے سورج کی خوبصورت سنہری کرنیں نظر آتی ہیں۔ وہ اس منظر کی سحر انگیزی میں کھو کر اسے 'جنت نظیر' قرار دیتا ہے۔ لیکن ٹھیک اسی لمحے، نیچے زمین پر کھڑا ایک کسان کالی گھٹاؤں کو دیکھ کر پریشان ہے کہ اگر آج شدید بارش ہوگئی تو اس کی تیار فصل تباہ ہو جائے گی۔

منظر ایک ہی ہے، لیکن دیکھنے والوں کے حالات اور زاویوں نے اسے دو بالکل مختلف حقیقتوں میں بدل دیا ہے۔ یہی تصویر کا دوسرا رخ ہے

انسانی فطرت ہے کہ وہ معاملات کو اپنی پسند، ناپسند اور محدود مشاہدے کی عینک سے دیکھتا ہے۔ ہم اکثر کسی واقعے، شخصیت یا فیصلے کو دیکھ کر فوری طور پر ایک رائے قائم کر لیتے ہیں، جبکہ حقیقت کی تہیں پیاز کے چھلکوں کی طرح ایک کے نیچے ایک چھپی ہوتی ہیں۔ اردو کی مشہور مثال ہے کہ "ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی"، لیکن اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ "ہر کالی نظر آنے والی چیز کوئلہ نہیں ہوتی"۔

ہماری زندگی میں اکثر تنازعات اور غلط فہمیاں صرف اس لیے جنم لیتی ہیں کہ ہم تصویر کا صرف ایک رخ دیکھنے کے عادی ہو چکے ہیں۔ سوشل میڈیا کے اس دور میں تو یہ وباء مزید پھیل چکی ہے۔ کسی کی پندرہ سیکنڈ کی ویڈیو دیکھ کر ہم اس کے کردار کا فیصلہ کر دیتے ہیں، جبکہ ہمیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس ویڈیو سے پہلے کیا ہوا تھا اور اس کے بعد کیا ہوا۔

"سچائی اکثر وہ نہیں ہوتی جو نظر آتی ہے، بلکہ وہ ہوتی ہے جسے دیکھنے کے لیے زاویہ بدلنا پڑتا ہے۔"

کسی بھی معاملے کے دوسرے رخ کو سمجھنے کے لیے ظرف اور صبر کی ضرورت ہوتی ہے۔

اسی طرح ایک باپ اپنے بیٹے پر غصہ کر رہا ہے۔ ہم کو ظلم نظر آتا ہے،

دوسرا رخ یہ ہے کہ بیٹا کسی ایسی راہ پر چل پڑا تھا جو اس کی زندگی تباہ کر سکتی تھی محبت اور فکر نظر آتی ہے۔

اسی طرح، جب ہم کسی کی کامیابی کو دیکھتے ہیں، تو ہمیں صرف اس کی چمک دمک، پروٹوکول اور دولت نظر آتی ہے۔ یہ تصویر کا ایک رخ ہے۔ اس کا دوسرا رخ وہ کالی راتیں، مسلسل ناکامیاں، اپنوں کی تنقید اور وہ تھکن ہے جو اس مقام تک پہنچنے کے لیے اس نے برداشت کی۔

بقول شاعر،

یہ نہیں دیکھتے کتنی ہے ریاضت کس کی،
لوگ آسان سمجھ لیتے ہیں آسانی کو۔۔۔

ایک متوازن معاشرے کی تشکیل تب ہی ممکن ہے جب ہم "اختلافِ رائے" کو دشمنی نہ سمجھیں۔ جب کوئی شخص آپ سے مختلف بات کر رہا ہو، تو ضروری نہیں کہ وہ غلط ہو۔ ہو سکتا ہے کہ آپ تصویر کے دائیں جانب کھڑے ہوں اور وہ بائیں جانب۔

خلاصہ کلام یہ کہ کائنات کا کوئی بھی رخ حتمی نہیں ہے۔ سورج جہاں ایک طرف زندگی اور روشنی دیتا ہے، وہیں اس کی تپش صحراؤں میں پیاس کا سبب بھی بنتی ہے۔ رات جہاں اندھیرا لاتی ہے، وہیں سکون اور نیند کی نعمت بھی ساتھ لاتی ہے۔

اگر ہم اپنی زندگیوں میں تھوڑا سا ٹھہراؤ لے آئیں اور کسی بھی نتیجے پر پہنچنے سے پہلے خود سے یہ سوال کریں کہ "کیا میں نے تصویر کا دوسرا رخ دیکھا ہے؟" تو یقین جانیے، ہماری آدھی سے زیادہ پریشانیاں اور تلخیاں خود بخود ختم ہو سکتی ہیں۔ زندگی صرف "سیاہ" یا "سفید" نہیں ہے، بلکہ ان کے درمیان "گرے" (Gray) رنگ کے بے شمار شیڈز موجود ہیں، جنہیں دیکھنے کے لیے بصارت نہیں، بصیرت کی ضرورت ہے۔

یہ تھے فیصل عشرت کے خیالات

آخر میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ

تصویر کا دوسرا رخ ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ کسی بھی چیز کو صرف ظاہری شکل سے نہ پرکھا جائے ہر منظر کے پیچھے ایک اور منظر اور ہر حقیقت کے پیچھے ایک اور حقیقت موجود ہوتی ہے۔

ظفر احمد صدیقی کا شعر ہے کہ

ہو نہ جائے معتقد دل ظاہری تنویر کا
دیکھ لینا دوسرا رخ بھی ذرا تصویر کا

سوشل میڈیا اور ہماری سماجی ذمہ داریاں

پاکستان واچ ڈیسک

آج کے دور میں سوشل میڈیا ہماری زندگی کا ایک لازمی حصہ بن چکا ہے۔ فیس بک، ٹوئٹر، انسٹاگرام اور دیگر پلیٹ فارمز نے دنیا کو ایک گلوبل گاؤں میں تبدیل کر دیا ہے، جہاں معلومات کا تبادلہ چند لمحوں میں ممکن ہو گیا ہے۔ مگر اس تیزی کے ساتھ ساتھ ہماری سماجی ذمہ داریوں میں بھی اضافہ ہوا ہے، جسے نظر انداز کرنا معاشرے کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔

سوشل میڈیا کے ذریعے ہم نہ صرف اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں بلکہ دوسروں کے نظریات سے بھی متاثر ہوتے ہیں۔ اگر ہم اس پلیٹ فارم کو مثبت انداز میں استعمال کریں تو یہ شعور بیدار کرنے، تعلیم عام کرنے اور معاشرتی مسائل کو اجاگر کرنے کا ایک مؤثر ذریعہ بن سکتا ہے۔ مثال کے طور پر، غربت، تعلیم کی کمی، ماحولیاتی آلودگی اور انسانی حقوق جیسے موضوعات پر آگاہی مہمات نے لوگوں میں احساسِ ذمہ داری کو بڑھایا ہے۔

تاہم، سوشل میڈیا کا منفی استعمال بھی ایک بڑا مسئلہ بن کر سامنے آیا ہے۔ جھوٹی خبروں کا پھیلاؤ، نفرت انگیز تقاریر، کردار کشی اور غیر ذمہ دارانہ تبصرے معاشرتی ہم آہنگی کو متاثر کرتے ہیں۔ بعض اوقات لوگ بغیر تصدیق کے معلومات شیئر کر دیتے ہیں، جس سے غلط فہمیاں جنم لیتی ہیں اور معاشرے میں انتشار پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے ہر فرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ معلومات کی تصدیق کے بعد ہی اسے آگے بڑھائے۔

مزید برآں، سوشل میڈیا پر اخلاقی اقدار کا خیال رکھنا بھی نہایت ضروری ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم دوسروں کے احترام کو مقدم رکھیں، ذاتیات پر حملے سے گریز کریں اور مہذب زبان کا استعمال کریں۔ اختلافِ رائے ایک فطری عمل ہے، مگر اسے شائستگی اور دلیل کے ساتھ پیش کرنا ہی ایک مہذب معاشرے کی پہچان ہے۔

سوشل میڈیا نے نوجوان نسل پر بھی گہرا اثر ڈالا ہے۔ جہاں یہ پلیٹ فارم انہیں سیکھنے اور آگے بڑھنے کے مواقع فراہم کرتا ہے، وہیں وقت کا ضیاع اور ذہنی دباؤ جیسے مسائل بھی پیدا کرتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ نوجوان سوشل میڈیا کا متوازن استعمال کریں اور اپنی ترجیحات کو درست رکھیں۔

آخر میں یہ کہنا بجا ہوگا کہ سوشل میڈیا ایک طاقتور ذریعہ ہے، جو معاشرے کو سنوار بھی سکتا ہے اور بگاڑ بھی سکتا ہے۔ یہ ہم پر منحصر ہے کہ ہم اسے کس طرح استعمال کرتے ہیں۔ اگر ہم اپنی سماجی ذمہ داریوں کو سمجھتے ہوئے اس کا مثبت استعمال کریں، تو ہم ایک باشعور، مہذب اور ترقی یافتہ معاشرے کی تشکیل میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔

فواد اور عائزہ اسکرین پر پہلی بار ایک ساتھ جلوہ گر ہونے کیلئے تیار

پاکستانی شوبز انڈسٹری کے معروف اداکار فواد خان اور اداکارہ عائزہ خان پہلی بار اسکرین پر ایک ساتھ جلوہ گر ہونے کے لیے تیار ہیں، ان کے پہلے پراجیکٹ کی تفصیلات بھی سامنے آگئی ہیں۔ فواد خان اور عائزہ خان دونوں جلد ہی ہدایت کار ندیم بیگ کے ایک پراجیکٹ میں ساتھ نظر آئیں گے، جنھیں حال ہی میں اپنی فلم 'لوگرو' کے لیے بہت پزیرائی ملی ہے۔ یہ دونوں ندیم بیگ کی نئی آنے والی فلم میں مرکزی کردار ادا کرتے نظر آئیں گے۔ فواد اور عائزہ نے اب تک کسی ڈرامے یا فلم میں ساتھ کام نہیں کیا، لیکن کچھ عرصہ پہلے ایک اشتہار میں ان دونوں کو ایک ساتھ دیکھا گیا تھا۔ ان دونوں اداکاروں کے مداح ایک طویل عرصے سے انھیں اسکرین پر ایک ساتھ کسی ڈرامے یا فلم میں دیکھنے کے منتظر تھے۔ فواد اور عائزہ کی فلم مبینہ طور پر 2027ء میں ریلیز ہوگی۔

بھارتی ایوارڈ شو میں بولڈ ڈریس پہننے سے انکار کر دیا تھا، ریما خان

پاکستان کی معروف اداکارہ ریما خان نے انکشاف کیا ہے کہ انہوں نے بھارت میں ہونے والے ایوارڈ شو میں بولڈ ڈریس پہننے سے انکار کر دیا تھا کیونکہ وہ وہاں پاکستان کی نمائندگی کر رہی تھیں۔ ایک پوڈ کاسٹ میں گفتگو کرتے ہوئے ریما خان نے کہا کہ میں اپنے لباس اور گفتگو پر خاص توجہ دیتی ہوں، فنکاروں کو چاہیے کہ وہ اپنی زبان، کردار اور رویے پر خاص توجہ دیں کیونکہ لوگ انہیں فالو کرتے ہیں۔ انہوں نے موجودہ میڈیا اور سوشل میڈیا کلچر پر بات کرتے ہوئے کہا کہ آج کل منفی خبروں اور تنازعات کو زیادہ فروغ دیا جاتا ہے جبکہ مثبت کام کم دکھائے جاتے ہیں۔ ریما خان نے کہا کہ اللہ کی جنت سب چاہتے ہیں لیکن مرنا کوئی نہیں چاہتا، اگر واقعی جنت میں جانا چاہتے ہیں تو مخلوق کیلئے آسانیاں پیدا کریں۔ ریما خان نے کہا کہ وہ اللہ کی بے شمار نعمتوں پر شکر گزار ہیں اور ان کے نزدیک اصل کامیابی انسان کا عاجز اور شکر گزار رہنا ہے۔ مختصر زندگی ہے جس میں ہم سب کے پاس بہت کم بہت وقت ہے۔

چیف ایڈیٹر: شیخ راشد عالم

ایڈیٹر: نشید آفاقی

صارفین سے سرکار تک

کنزیومر واچ

CONSUMER WATCH PAKISTAN

عوام۔نظام اور ایوان

چیف ایڈیٹر: شیخ راشد عالم
ایڈیٹر: نشید آفاقی

پاک واچ پاکستان

PAKISTAN WATCH

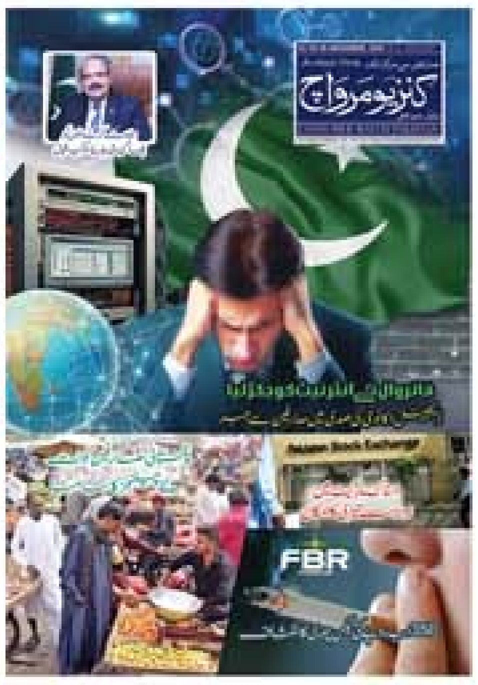

Government of Pakistan office of the Press Registrar Islamabad Registration No.2793

H41، پی ای سی ایچ ایس، بلاک 2، کراچی فون نمبر: 021-34528802-3